مختصر تاریخ

جماعتِ اسلامی ہند

محمد شفیع مونس

مطبوعات ہیومن ویلفیئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ) نمبر ۵۴۳

نام کتاب : مختصر تاریخ جماعت اسلامی ہند
مصنف : محمد شفیع مونس
صفحات : ۱۹۲
اشاعت : مئی ۲۰۰۵ء
تعداد : ۵۰۰
قیمت : -/۷۵ روپے
ناشر : مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز
ڈی ۳۰۷، دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵
فون: ۲۶۹۸۱۶۵۲، ۲۶۹۸۲۳۳۹ فیکس: ۲۶۹۳۱۸۵۸
E-mail: mmipub@nda.vsnl.net.in
Website: www. mmipublishers.net
مطبوعہ : دعوت آفسٹ پرنٹرز، دہلی-۶

MUKHTASAR TAREEKH
JAMAAT E ISLAMI HIND (Urdu)
By: Muhammad Shafi Moonis
Pages: 192
Price: Rs. 75.00

فہرست

☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

تحریک اسلامی سے وابستہ افراد اور دینی جماعتوں کی تاریخ سے دل چسپی رکھنے والے باذوق قارئین کی خدمت میں "مختصر تاریخ جماعت اسلامی ہند" پیش کرتے ہوئے یک گونہ مسرت کا احساس ایک فطری امر ہے۔ جماعت اسلامی کے قیام کو کم و بیش ساٹھ برس بیت گئے اس دوران میں کیا کیا حالات رونما ہوئے اور جماعت کیسے کیسے نشیب و فراز سے گزری، اس سب کی تفصیلات کے لیے تو دراصل ایک دفتر درکار ہے۔ لیکن اس بات کی ضرورت شدت کے ساتھ محسوس کی جاتی رہی ہے کہ کوئی ایسی مختصر چیز شائع ہو، جس میں جماعت کے قیام، پس منظر، اس وقت کی ملکی و سیاسی صورت حال اور جماعت کے اب تک کے ارتقائی سفر کا ذکر آ جائے۔ تاکہ وابستگان تحریک اور دوسرے شائقین اجمالاً ہی سہی باخبر ہو سکیں۔ اسی احساس اور ضرورت کو سامنے رکھ کر زیر نظر کتاب مختصر تاریخ جماعت اسلامی ہند حوالہ قلم کی گئی ہے۔

"مختصر تاریخ جماعت اسلامی ہند"، کو جماعت کی جامع و مانع تاریخ تو نہیں کہا جاسکتا البتہ اسے ایک "تذکرہ" ضرور تصور کیا جاسکتا ہے۔ تذکرہ اور تاریخ، یہ دو چیزیں، ایک دوسرے سے بہت قریب بھی سمجھی جاتی ہیں۔ "تذکرہ" کی مدد کے بغیر تاریخ ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتی اور تاریخی حقائق سے بے نیاز ہو کر کوئی تذکرہ بھی مکمل نہیں ہو سکتا۔ خواہ اس کتاب کو ایک تاریخ تصور کیا جائے خواہ تذکرہ، ہر دو صورت میں اس کی معنویت و اہمیت باقی رہتی ہے۔

"مختصر تاریخ جماعت اسلامی ہند" کو منظر عام پر آنے میں کافی تاخیر ہوگئی۔ اسے بہت پہلے شائع ہو جانا چاہیے تھا۔ لیکن بعض وجوہ سے جن میں خود میری علالت اور جسمانی کمزوری شامل رہی اور اسی طرح گوناگوں اور متنوع مصروفیتوں کی وجہ سے بھی یہ کام ملتوی ہوتا رہا

اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس کام کے لیے جو وقت مقرر ہے، وہ اسی کے مطابق انجام پزیر ہوتا ہے۔ اس سے پہلے یا اس کے بعد نہیں۔

اس کتاب کی تالیف میں محض ذاتی حافظے اور یادداشت پر انحصار نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ تحقیق و جستجو سے بھی کام لیا گیا ہے۔ حسب موقع جماعت کی بعض بنیادی کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے اور مختلف رودادوں سے بھی۔ اس کے علاوہ مرکز سے جاری ہونے والے متعلقہ سرکلرس بھی پیش نظر رہے ہیں اور جماعت کی مرکزی و حلقہ جاتی مجالس شوریٰ کے فیصلے بھی۔ تاہم بہ ہر حال یہ ایک حقیر کوشش ہے، سہو و نسیان کے امکانات سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ قارئین سے عاجزانہ گزارش ہے کہ جہاں پر کوئی بات کھٹکے، متعین اور واضح طور پر مطلع فرمائیں ان شاء اللہ آیندہ ایڈیشن میں اسے پیش نظر رکھا جائے گا۔

محمد شفیع مونس

دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵

۲۷ر دسمبر ۱۹۹۹ء

مقدمہ

انسان کی بنیادی، سب سے اہم اور اولین ضرورت اس حقیقت سے باخبر ہونا ہے کہ وہ اس دنیا میں اپنی زندگی — انفرادی و اجتماعی، پوری زندگی — کس طرح بسر کرے۔ وہ بنیادی نظریات اور اصول اخلاق کیا ہوں، جن پر زندگی کی تعمیر کی جائے پھر اسی طرح وہ مدنی قوانین کیا ہوں جن کے تحت اپنی زندگی کو صحت مندانہ انداز میں استوار کرے تاکہ وہ حقیقی فلاح و بہبود سے ہمکنار ہو سکے۔

ان بنیادی سوالات کے جواب میں غور و فکر کے لیے دو نمونے سامنے آتے ہیں: ایک اس گروہ کا نمونہ ہے، جسے دنیا حکماء اور فلاسفہ کے نام سے جانتی ہے۔ ان حکماء اور فلاسفہ کی طرف سے عام طور پر یہ دعویٰ کیا جاتا رہا ہے کہ انھوں نے انسانی زندگی کے مسئلے کو سمجھ لیا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ کسی بھی ایک نظریے پر متفق نہیں رہے اور اتنا ہی نہیں بلکہ خود اپنی زندگی کے مختلف مراحل میں ان میں سے جس نے جو کچھ کہا اس میں بھی اس کے واضح اختلافات دیکھے گئے ہیں۔ پھر انھوں نے اپنے فلسفوں اور نظریوں کے بارے میں جو کچھ کہا، اس میں انسان کی پوری زندگی کے لیے کوئی رہ نمائی نہ تھی۔ ان حکماء اور فلاسفہ پر اعتماد رکھنے والوں نے بنیادی نظریات کے ۔یے کوئی ایک رہ نمائی قبول کی تو اصول اخلاق کے لیے دوسری رہ نمائی اختیار کی اور مدنی قوانین کے لیے کسی تیسری رہ نمائی کی طرف توجہ کی گئی پھر انسانی تاریخ اس حقیقت پر بھی گواہ ہے کہ اس طرح کی رہ نمائی سے انسان کبھی اپنی مشکلات و مسائل کو حل نہیں کر سکا۔ بلکہ اسے طرح طرح کی بربادیوں سے دوچار ہونا پڑا ہے اور ان کی خود اپنی زندگیاں بھی غیر متوازن اور غیر معتدل ہی رہیں۔ رہ نمائی کے دعوے دار اس گروہ کے مقابلے میں انسانی تاریخ ایک دوسرا نمونہ پیش کرتی ہے۔ جو اس کائنات کے خالق اور مالک و پروردگار کے پیغمبروں، انبیا علیہم السلام — کا نمونہ ہے۔ ان سب نے خود کو اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبر کی حیثیت میں پیش کیا اور جو حقائق انھوں نے

پیش کیے ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں پایا گیا۔ ان سب نے یکساں طور پر انسان کو اس حقیقت سے آگاہ کیا کہ جو لوگ اللہ کی ہدایت و رہ نمائی کو قبول کر کے اس کے تحت اپنی زندگی گزاریں گے، وہ اس کے ابدی انعامات سے نوازے جائیں گے اور اس کی نعمت بھری جنتوں میں انھیں جگہ ملے گی اور جو لوگ اس کی فرماں برداری سے ہٹ کر راہیں اختیار کریں گے، وہ اس کے سخت اور المناک عذاب سے دوچار ہوں گے۔ بعد کے آنے والے ہر پیغمبر نے سابق پیغمبروں کی تصدیق کی اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ انھوں نے اپنے سے بعد میں آنے والوں کے بارے میں بھی بتایا کہ ان کی پہچان کے لیے کیا علامات ہوں گی۔

جو انسانی گروہ ان پیغمبروں پر ایمان لائے اور اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کو ان پیغمبروں کی لائی ہوئی ہدایت اور تعلیمات میں ڈھالا، انھوں نے بھی انسانیت و شرافت کا ثبوت دیا۔ اپنے دکھ درد کے علاج اور اپنی زندگی کی مشکلات و مسائل کے حل کے سلسلے میں انھیں بھی کامیابی حاصل ہوئی۔ اس طرح انسانی زندگی ہر ایک پہلو سے استوار اور خوشگوار ہوتی چلی گئی۔ سب سے پہلا انسان، حضرت آدم علیہ السلام، اللہ کے سب سے پہلے پیغمبر بھی تھے۔ اس کے بعد موقعے موقعے سے اللہ تعالیٰ دوسرے انبیاء بھیجتا رہا اور سب سے آخر میں حضرت محمد ﷺ کو اپنا رسول بنا کر بھیجا۔ انھیں اپنی مکمل ہدایت — اسلام — سے نوازا، اسلام جو انسانی زندگی کے انفرادی و اجتماعی تمام گوشوں کا احاطہ کرتا ہے۔ عقائد، عبادات اور اخلاق کا معاملہ ہو یا معیشت و معاشرت اور سیاست و تمدن کا۔ زندگی کے تمام شعبے اسلام کے دائرے میں آجاتے ہیں۔ اس طرح کہ انسانی زندگی کا کوئی ایک شعبہ و گوشہ بھی ایسا نہیں جو اس دائرے سے خارج ہو۔

اللہ تعالیٰ کی اس رہ نمائی کا آج بھی ہر طرح قابل اطمینان اور تفصیلی ریکارڈ موجود ہے جو اسلامی تحریک کی تاریخ سے صحیح واقفیت حاصل کرنے کا واحد اور مستند ذریعہ ہے۔ اس سے یہ بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ کن حالات میں یہ تحریک شروع ہوئی، اس کے بنیادی نظریات کیا ہیں، اخلاقی اور تہذیبی و ثقافتی قدروں کے معاملے میں اس نے حالات کی سازگاری کے اور اسی طرح ناسازگاری کے وقت ان سے عہدہ برآ ہونے کے لیے کس طرح کی کوششیں کیں۔ ان کاوشوں اور عملی جدوجہد کے دوران اسے کس طرح کے مسائل و مشکلات کا سامنا رہا ہے۔ پھر یہ بھی کہ تحریک اسلامی کے اپنے مزاج و مفاد کے اعتبار سے اس کے ذمہ داروں اور کارکنوں کے لیے کیا

کیا اجتماعی اوصاف ضروری ہیں اور وہ ان میں کس حد تک پائے گئے ہیں اور یہ بھی ان کے نشوونما کے سلسلے میں کیا تدابیر اختیار کی جاتی رہی ہیں۔

اللہ کے آخری رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے عہد میں فرد کا ارتقاء، معاشرے کی تعمیر اور ریاست کی تشکیل غرض کہ زندگی کے تمام پہلوؤں اور شعبوں میں قرآن مجید کی تعلیمات کے مطابق ہی کام ہوا اور اس کے بعد خلفائے راشدین کے عہد میں بھی سارے کام کسی تقسیم و تفریق کے بغیر اللہ کی کتاب اور رسول اللہ کی سنت کے مطابق ہوتے رہے۔ اسلامی خلافت — خلافت راشدہ — تیس سال تک قائم رہی — عہد خلافت، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علیؓ کا زمانہ ہے جسے خلافت راشدہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

خلافت راشدہ کے بعد بنو امیہ اور بنی عباس کا وہ زمانہ آیا جب خلافت نے ملوکیت کے طور طریقے اختیار کر لیے۔ بنی امیہ کی حکومت ۹۰ سال قائم رہی۔ اس کے بعد بنی عباس کو اپنی حکومتوں کے لیے ایک خاصا طویل زمانہ ملا۔ اس طرح ان دونوں خاندانوں کی مجموعی طور پر تین سو چالیس سال تک حکومتیں قائم رہیں۔ اس دوران میں اگرچہ عدالت کے ذریعے اسلامی شریعت ہی نافذ رہی لیکن حکمراں خاندان اور ان کے درباری اپنی ذمہ داریوں کے سلسلے میں شرعی قوانین سے مستثنیٰ رہے۔ اس طرح ملوکیت نے بادشاہتوں اور شہنشاہیوں کا طرز عمل اختیار کر لیا۔

قیادت کی تقسیم

خلافت راشدہ رسول اللہ ﷺ کی مکمل نیابت تھی۔ خلیفۂ راشد مسلمانوں کا رہنما بھی ہوتا تھا اور سیاسی سربراہ بھی۔ ایک ہی قیادت سیاسی و دینی ہر دو حیثیت سے امت مسلمہ کی سربراہ تھی جو زندگی کے تمام معاملات میں امامت کی ذمہ داریاں انجام دیتی تھی۔ لیکن جب خلافت کی جگہ ملوکیت آگئی تو وہ صرف سیاسی قیادت ہو کر رہ گئی زور زبردستی کی وجہ سے ملوکیت کی سیاسی قیادت کو تسلیم کر لینے پر تو عوام مجبور تھے۔ لیکن ایسے لوگوں کو دلی احترام حاصل نہ تھا۔

اس نامطلوب صورت حال میں قیادت تقسیم ہو کر رہ گئی۔ سیاسی قیادت بادشاہوں کو حاصل ہوگئی جو بادل نہ خواستہ عوام کو گوارا کرنی پڑی، جس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ حکمراں اسلامی شریعت کو تسلیم کرتے تھے اور ان کی حکومت میں عام معاملات شریعت اسلامی کے مطابق ہی طے

پاتے تھے۔ یہ صرف سیاست تھی جس نے دین کے بجائے دنیوی شکل وصورت اور طور طریقے اختیار کر لیے تھے۔

یہ صورت حال تو سیاسی قیادت کی تھی، رہی دینی رہ نمائی تو وہ ان حضرات کو حاصل ہوئی جو دین کا صحیح اور مکمل تصور رکھتے تھے اور اس کے لیے کوشاں بھی تھے کہ وہ عملاً جو کچھ کر سکتے ہیں کریں۔ ان حضرات میں باقی ماندہ صحابۂ کرام، تابعین و تبع تابعین کے علاوہ محدثین و علمائے دین بھی شامل تھے، جو اس اہم ذمہ داری کو ادا کرنے کے لیے آگے بڑھے اور امت نے اطمینان کے ساتھ ان کی رہ نمائی و قیادت کو تسلیم کر لیا۔ اس قیادت کے ذریعے اسلام کی اشاعت کا کام بھی ہوا اور لوگوں کے ذہن و فکر اور اخلاق و کردار کی تربیت کا اہتمام بھی ہوتا رہا۔ سیاسی اور دینی قیادت میں تعاون کی توقع تو تھی ہی نہیں لیکن وہ اختلاف و تضاد سے بھی خود کو محفوظ نہ رکھ سکیں۔

اسلام کا اصل مقصد

قیادت کے تقسیم ہو جانے کی صورت میں قیادتوں کا اپنے اپنے دائرے میں کام ہوتا رہا۔ بلاشبہ انھوں نے نہایت قابل قدر اور قابل اطمینان خدمات بھی انجام دیں۔ لیکن اسلام کا جو مقصد ہے وہ حاصل نہیں ہو سکا۔ اس وجہ سے ایک طویل عرصے تک تو ایک یہ احساس اپنی جگہ برقرار رہا کہ دراصل ضرورت اسی طرح کی قیادت کی ہے جس کا تجربہ خلافت راشدہ کی صورت میں کیا جا چکا تھا۔ مگر قیادت کی دینی و سیاسی تقسیم کی وجہ سے رفتہ رفتہ یہ تصور ذہن سے اوجھل ہوتا چلا گیا۔ البتہ مسلمانوں کی زندگی پر اسلامی ہدایات و تعلیمات کے جو اثرات تھے اور اخلاق و کردار کے پہلو سے ان کا جو امتیاز تھا، اس کی وجہ سے ان کی یک گونہ شناخت اپنی جگہ باقی رہی۔

برصغیر ہند میں اسلام کی آمد

برصغیر ہند میں اسلام تین راستوں سے داخل ہوا۔ محمد بن قاسم کی سربراہی میں سندھ کے راستے سے، مالابار میں عرب تجار کی آمد کی صورت میں اور کچھ دوسرے علاقوں میں غیر عرب فاتحین کے داخلے کی شکل میں۔ سندھ اور مالابار (کیرالہ) میں جو مسلمان آئے ان کی زندگیوں پر اسلامی تعلیمات کے اثرات تھے۔ اس وجہ سے یہاں کی غیر مسلم آبادی کے لیے ان کی آمد بہت خوش آیند تھی۔ لوگوں نے انھیں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا اور حسب توفیق انھوں نے اسلام

میں پناہ لی۔ لیکن وہ غیر عرب فاتحین جو دوسرے علاقوں سے ہندستان آئے ان کا معاملہ سندھ اور مالابار کی راہ سے آنے والوں سے خاصا مختلف تھا۔ ان کی زندگیوں میں ان خامیوں اور خرابیوں کے بھی اثرات تھے، جو اسلام سے پہلے ان کے غیر مسلم معاشروں میں موجود تھیں اور اسلام لانے پر بھی پوری طرح رفع نہیں ہو سکی تھیں۔

اسلام لانے والوں کی تعلیم و تربیت کا نقص

یہاں کی غیر مسلم آبادی میں اسلام کی اشاعت علماء و مشائخ کے ذریعے ہوئی مگر اسلام قبول کرنے والوں کی تعلیم و تربیت کا کوئی معقول بندوبست نہ ہو سکا۔ چناں چہ نومسلموں کی زندگیوں میں ان کے سابق معاشرے کی خامیاں بڑی حد تک باقی رہ گئیں، جو صحیح اسلامی معاشرے کی صورت گری میں مانع تھیں۔ البتہ اس کے باوجود ان کی زندگیوں میں جو تغیر رونما ہوا اس کا ایک قابل لحاظ اثر ہوا۔ آبادی کے جو افراد خاندان اپنی مظلومیت کی وجہ سے غیر مطمئن تھے، وہ اسلام کی طرف متوجہ ہوتے رہے۔ اس صورت حال میں ان کے ہم معاشرہ کچھ نامور لوگوں میں یہ احساس پیدا ہوا کہ وہ ان کے حالات کو سدھارنے کی صورتیں اختیار کریں۔ چناں چہ اس احساس کے نتیجے میں بعض اصلاحی تحریکیں شروع ہو گئیں۔

تجدید و احیاء کی کوشش

اب ایک طرف تو غیر عرب فاتحین اور ان کے ساتھ ہندستان میں آنے والے عام مسلمان تھے، جن کی حالت ان کے اخلاق و کردار کی خامیوں کے لحاظ سے قابل اطمینان نہ تھی۔ دوسری طرف نومسلموں کی تربیت کا احساس شدید ہونے لگا اور ایک درجے میں یہ سوال بھی سامنے آنے لگا کہ مسلمانوں کو اپنی انفرادی اور اجتماعی پوری زندگی اسلامی تعلیمات و ہدایات کے تحت بسر کرنی چاہیے۔ ان وجوہ کی بنا پر حالات کا یہ تقاضا سامنے آتا چلا گیا کہ ان کی صحیح اور مکمل رہ نمائی ہونی چاہیے۔ اس سلسلے میں شاہ ولی اللہؒ نے نہایت قابل قدر کام کیا۔ انھوں نے اسلام کو ایک نظام زندگی کی صورت میں پیش کیا۔ اس کے بعد شاہ صاحبؒ کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیزؒ نے اس سلسلے کو آگے بڑھایا۔ پھر سید احمد شہیدؒ، شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور شاہ عبدالقادرؒ نے تجدید و احیائے دین کی اس تحریک کو ایک باقاعدہ تحریک عام کی شکل دے دی۔

حالات کی تبدیلی

۱۸۵۷ء تک کے عرصے میں انگریزوں نے اپنا سامراجی تسلط قائم کرنے کے لیے دوسمتوں میں مسلسل پیش قدمی کی۔ ایک جانب مغل بادشاہت کے خاتمے کے لیے راہ اختیار کی اور دوسری طرف وہ معاشرے میں تبدیلیوں کے لیے مؤثر اقدامات کے ذریعے زمین ہموار کرتے رہے۔ ملک کی عدالتوں میں مغرب کے ماہرین قوانین کی خدمات حاصل کی جانے لگیں۔ پھر ایک اور قدم انگریزوں نے یہ اٹھایا کہ ملک کے تعلیمی نظام کو بدلا اور پورے ملک میں جدید تعلیمی اداروں کا جال بچھادیا۔ لارڈ میکالے کے مشہور فلسفۂ تعلیم پر مبنی نظام تعلیم رائج کردیا اور انگریزی زبان کو اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ بنایا گیا۔

جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے ان حالات میں ان کے ذہن سے دین کے مکمل نظام حیات ہونے کا تصور ہی جاتا رہا۔ اور اب ان کے اکثر اہل علم و دانش تک بھی اسے محض عبادات، اخلاقی تعلیمات اور شخصی قانون سے عبارت ایک نجی معاملہ سمجھنے لگے۔

تعلیم کی ضرورت کا احساس اور اس کے حل کی کوشش

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا مسلمانوں خاص طور پر ان کی نئی نسلوں میں تعلیم وتربیت کی کمی کا احساس روز بروز بڑھتا جارہا تھا۔ ملک کی بدلتی ہوئی صورت حال میں یہ احساس اور بھی شدت اختیار کرنے لگا کہ مسلمانوں کی نئی نسل کی تعلیم وتربیت کا کوئی معقول انتظام ہونا چاہیے۔ اس احساس نے دو متعین اور نمایاں رخ اختیار کیے۔ ایک رخ کے سلسلے میں انتظام کا بیڑا سرسیدؒ نے اٹھایا۔ انھوں نے جدید علوم اور تعلیم کے جدید طریقوں کے پیش نظر ۱۸۷۴ء میں اے ایم یو کالج کے لیے ایک باقاعدہ تحریک شروع کی اور اس میں انھیں ان معنوں میں کامیابی ہوئی کہ سخت پس و پیش کے ساتھ ہی سہی، بہرحال نئی نسل کے کچھ طلبہ انھیں ملتے رہے۔ لیکن انھوں نے یورپ سے حاصل شدہ علوم کسی خاص رد و بدل کے بغیر نافذ کردیے۔ اگرچہ انھوں نے نصاب تعلیم میں دینیات کو بھی ایک مضمون کی حیثیت سے داخل کیا مگر اس نصاب کا قابل لحاظ فائدہ سامنے نہیں آیا۔ الا ماشاء اللہ۔

اس جدید تعلیم وتربیت نے البتہ ایسے افراد ضرور پیدا کردیے، جو جدید علوم کے ساتھ

زمانے کے جدید حالات اور ضرورتوں سے بھی واقف تھے اور اس طرح اُس میدان میں بھی بیداری نظر آنے لگی، جس میں مسلمانوں کو کوئی قابل ذکر واقفیت نہ تھی۔

تعلیم وتربیت کا ایک رخ تو یہ تھا، رہا دوسرا رخ تو اسے ہمارے علمائے کرام نے اختیار کیا۔ انھوں نے نہ صرف یہ کہ بجا طور پر یہ احساس کیا کہ یورپ سے درآمد شدہ نظریۂ تعلیم نے خدا بیزار تہذیب پیدا کی ہے، جس سے محفوظ رہنے کا اہتمام ضروری ہے۔ مگر اپنے آپ کو انھوں نے اس طرح محدود کرلیا کہ زمانے کے حالات و مسائل سے ان کا کوئی قابل لحاظ تعلق نہیں تھا۔ مسلمانوں کو دین سے وابستہ رکھنے میں انھیں یقیناً کامیابی حاصل ہوئی۔

تعلیم وتربیت کے اس دوطرفی نظام نے ان کے درمیان نہ صرف یہ کہ کوئی بامقصد تعاون کی فضا پیدا نہیں کی بلکہ اکثر باہمی اختلافات ہی کو ہوا ملتی رہی اور بعض اوقات ناخوشگوار صورت حال بھی پیدا ہوئی ـــــ پھر ان الگ الگ دو سمتیں اختیار کرنے والے حضرات نے جب سیاسیات میں دلچسپی کا اظہار کیا تو یہ حقیقت نگاہوں سے اوجھل ہی رہی کہ درحقیقت اسلام کا اپنا سیاسی نقطۂ نظر کیا ہے اور اس کے لیے کیا سعی و تدبیر ضروری ہے۔ انھوں نے قومیت کی راہیں اختیار کرلیں، ایک گروہ نے وطنی قومیت کی راہ اختیار کی اور دوسرے نے مسلم نسلی قومیت کی۔ دراں حالے کہ ضرورت اس امر کی تھی کہ وہی نظریۂ زندگی اختیار کیا جاتا جو اسلام نے عطا کیا ہے اور تعلیم وتربیت کا نظام بھی اسی نقطۂ نظر کے مطابق استوار کیا جاتا۔

اس صورت حال میں ایک طرف تو سرسیدؒ کی فکری تحریک ابھرتی چلی گئی اور دوسری طرف مسلمان غیر متحرک وغیر فعال ہوکر رہ گئے۔ ان میں سے جن حضرات نے سیاسیات واجتماعیات میں کبھی دلچسپی کا کچھ اظہار کیا بھی تو نظریۂ اسلامی کے بجائے مختلف قومیتوں پر مبنی تحریکوں کی قیادتیں تسلیم کرلی گئیں۔

ایک طرف تو مسلمانوں کی عام ناخواندگی، اسلامی تعلیمات سے بے خبری، شعور دینی کی کمی اور اسلامی عقائد میں بے یقینی وغیرہ تمام خامیاں اور کمیاں نمایاں تھیں اور دوسری طرف غیر اسلامی تصورات کے فروغ، فروعات میں دلچسپی اور اصولوں سے بے اعتنائی اور مناظرانہ بحث وجدال کا چسکا تھا اور یہ سب چیزیں مل کر اپنا کام کرتی رہیں۔ جدید علم کے زیر اثر ذہنی وفکری کجی نے بھی اپنے اثرات پیدا کیے۔ ان وجوہ سے ان کی ایک قابل لحاظ تعداد نفسیاتی طور پر

غیر اسلامی تحریکوں کا نرم چارہ بنتی چلی گئی۔ البتہ یہ صورت حال کچھ نئے احساسات، بیداری اور تقاضوں کو بھی سامنے لانے کا باعث ہوئی۔

بیداری کے آثار

انیسوی صدی کی آخری دہائی سے لے کر ۱۹۲۴ء تک کے دور کو مسلمانوں کے اندر اپنی شناخت اور اس کی بحالی کی طرف توجہ کا دور کہا جاسکتا ہے۔ اس دور کا آغاز حالیؒ و شبلیؒ نے کیا۔ حالی کی مسدس نے لہو گرمایا اور مسلمانوں کو اپنی زبوں حالی کی طرف توجہ دلائی۔ شبلیؒ نے جدید تعلیمی پالیسی پر نکتہ چینی کی اور ایک تعلیمی و علمی تحریک بھی شروع کی، جو آگے چل کر ندوۃ العلماء لکھنؤ اور دارالمصنفین اعظم گڑھ کی شکل میں نمودار ہوئی۔ بیسویں صدی کے ابتدائی پچیس سال میں مسلمانوں کے اندر جو بڑی قد آور شخصیتیں سامنے آئیں ان میں مولانا محمد علی جوہرؒ، شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ، علامہ اقبالؒ اور مولانا ابوالکلام آزادؒ کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان حضرات نے زندگی کے مختلف شعبوں میں ملت کی رہ نمائی کے لیے کام کیا اور اہم دینی و سیاسی خدمات انجام دیں، جن کی بنا پر مستقبل کے سلسلے میں اچھی توقعات کا اظہار ہونے لگا۔

اجتماعی و سیاسی پلیٹ فارم

ایک طرف تو صورت حال کا یہ خوش آیند پہلو تھا اور دوسری طرف جنگ عظیم اول کے نتیجے میں ترکی کو جو شکست ہوئی اس کے باعث مسلمانوں کا اجتماعی و سیاسی ادارہ، ادارۂ خلافت سنگین خطرے سے دوچار ہوتا نظر آنے لگا۔ آخر کار اس ادارۂ خلافت کا خاتمہ ہی کر دیا گیا۔ اس ادارے کے خاتمے کے علاوہ مخالف قوتوں کی ریشہ دوانیوں نے بھی مسلمانان ہند کو طرح طرح کی مشکلات میں مبتلا کیا۔

اسلام میں جہاد کا مسئلہ

ملک کی اس وقت کی خاص صورت حال کے پیش نظر مولانا محمد علی جوہرؒ نے جامع مسجد دہلی میں اپنی ایک تقریر میں خواہش ظاہر کی کہ کاش کوئی عالم دین مسئلہ جہاد کی ٹھیک ٹھیک وضاحت کر دے اور اسلام کے خلاف مسئلہ جہاد کے سلسلے میں جو غلط فہمیاں ہیں ان کو رفع کر سکے۔ مولانا

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اس سے پہلے ۱۹۳۵ء میں 'الجمعیۃ' کے ایڈیٹر مقرر ہو چکے تھے جو اس تقریر کے سامعین میں شامل تھے، انھوں نے اپنے دل میں طے کیا کہ وہ خود ہی اسلام میں مسئلہ جہاد کا تحقیقی مطالعہ اور اس کی وضاحت کریں گے اور کام شروع کر دیا۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے مولانا پر یہ بات واضح ہوئی کہ اگر فی الواقع کوئی اسلامی حکومت ہوتی ہے تو وہ اپنے شہریوں اور عام بندگان خدا کے لیے رحمت خداوندی ثابت ہوتی ہے۔ اسلامی جہاد پر ان کے مضامین بالاقساط الجمعیۃ میں شائع ہوتے رہے اور بعد میں ''الجہاد فی الاسلام'' کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہوئے۔

اس کے بعد مولانا مودودیؒ جولائی ۱۹۳۱ء میں دہلی سے حیدرآباد منتقل ہو گئے اور رسالہ ''ترجمان القرآن'' ان کے زیر ملکیت آ گیا۔ اس رسالے کے ذریعے مولانا کے افکار کی اشاعت شروع ہوگئی۔ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری ہوا۔ اس طرح مولانا کا حاصل مطالعہ سامنے آتا چلا گیا۔ اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی، مسئلہ جبر و قدر، تنقیحات اور تفہیمات حصہ اول و دوم کے بیشتر مضامین ۱۹۳۳ء میں، حقوق الزوجین، اسلام اور ضبط ولادت ۱۹۳۵ء میں، خطبات، رسالۂ دینیات، سود اور پردہ ۱۹۳۸ء میں، اور اسلام کا نظریۂ سیاسی اور اسلامی عبادات پر تحقیقی نظر ۱۹۳۹ء میں منظر عام پر آئیں۔ اس کے کچھ دنوں بعد ''مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش'' حصہ اول و دوم اور سوم ۱۹۳۹ء میں، ''تجدید و احیائے دین''، ''اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے'' اور ''ایک اہم استفتاء'' وغیرہ کتابیں بھی شائع ہو کر ۱۹۴۰ء میں منظر عام پر آ گئیں۔ ان تالیفات سے مولانا کی فکر واضح طور پر سامنے آتی چلی گئی۔ مولانا نے زندگی کو ایک کل کی حیثیت سے سامنے رکھا اور وہ عام موقف اختیار نہیں کیا، جو زندگی کے مختلف اجزاء کو الگ الگ رکھ کر اختیار کیا جاتا تھا۔ مولانا فرماتے ہیں:

> ''کائنات کا وجود علیحدہ علیحدہ اجزاء پر مشتمل نہیں ہے بلکہ وہ ایک کل ہے، اس کے تمام اجزاء ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں۔ زمین کا ایک ذرہ مریخ و عطارد کے ذرات سے ویسا ہی تعلق رکھتا ہے، جیسا میرے سر کا ایک ایک بال میرے ہاتھ کے رونگٹے سے رکھتا ہے۔ گویا پوری کائنات جسد واحد ہے اور اس کے اجزاء میں باہم ویسا ہی ربط ہے جیسا کہ ایک جسم کے اجزاء میں ہوتا ہے۔... دنیا کا کوئی چھوٹا یا بڑا واقعہ بجائے خود ایک مستقل واقعہ نہیں ہے بلکہ وہ تمام کائنات کے سلسلۂ واقعات کی

ایک کڑی ہے اور اس کلی مصلحت کے تحت صادر ہوتا ہے جس کو پیش نظر رکھ کر خداوند عالم اپنی اس غیر محدود سلطنت کو چلا رہا ہے۔" (تفہیمات حصہ اول ص۱۴)

"یہ زبردست قانون، جس کی بندش میں بڑے بڑے سیاروں سے لے کر، زمین کا چھوٹے سے چھوٹا ذرہ جکڑا ہوا ہے، ایک بڑے حاکم کا بنایا ہوا ہے۔ ساری کائنات اور کائنات کی ہر چیز اس حاکم کی مطیع اور فرماں بردار ہے کیونکہ اسی کے بنائے ہوئے قانون کی اطاعت دفرماں برداری کر رہی ہے۔ اس لحاظ سے ساری کائنات کا مذہب اسلام ہے۔... خدا کی اطاعت وفرماں برداری ہی کو اسلام کہتے ہیں۔"
(رسالۂ دینیات ص۱۰، ۱۱)

مولانا مودودیؒ اسلام کو ایک منظم و مربوط نظام کی حیثیت میں پیش کرتے ہیں۔ چناں چہ فرماتے ہیں:

"اسلام ایک باضابطہ نظام ہے جس کی بنیاد چند مضبوط اصولوں پر رکھی گئی ہے۔ اس کے بڑے بڑے ارکان سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے ارکان تک ہر چیز ایک منطقی ربط رکھتی ہے... اس کے "اصول اولیہ" میں پوری اسلامی زندگی اپنی مختلف شاخوں کے ساتھ بالکل اسی طرح نکلتی ہے جس طرح درخت میں آپ دیکھتے ہیں کہ بیج سے پتیاں پھوٹتی ہیں اور خوب پھیل جانے کے بعد اس کی ایک ایک شاخ اس کی جڑ کے ساتھ وابستہ رہتی ہے۔" (اسلام کا نظریۂ سیاسی ص ۵)

اسلام کا نظریۂ حیات

مولانا مودودیؒ انسانی زندگی کی تقسیم کو قبول نہیں کرتے بلکہ پوری زندگی کو ایک اکائی تسلیم کر کے اس کے تمام مسائل کو اسلام کے دائرے میں رکھتے ہیں۔ کہتے ہیں:

"اس بے روح مذہبیت کا پہلا بنیادی نقص یہ ہے کہ اس میں اسلام کے عقائد محض ایک دھرم (Religion) کے مزعومات بنا کر رکھ دیے گئے ہیں۔ حالانکہ وہ ایک مکمل فلسفۂ حیات اور نظام تمدن کی بنیادیں ہیں اور اسی طرح اس کی عبادات محض پوجا اور تپسیا بنا کر رکھ دی گئی ہے۔ حالانکہ وہ ان ذہنی و اخلاقی بنیادوں کو مضبوط و مستحکم کرنے کے وسائل ہیں جن پر اسلام نے اپنا نظام اجتماعی تعمیر کیا ہے۔"
(سیاسی کشمکش، ص ۱۱۴)

مولانا مودودیؒ اور مسئلہ قومیت

مولانا نے "سیاسی کشمکش" حصہ اول و دوم اور "مسئلہ قومیت" لکھ کر جہاں نظریۂ وحدت انسانی کے مقابلے میں وطنی قومیت پر تنقید کی ہے، وہیں سیاسی کشمکش سوم میں مسلم قومیت کے نظریے پر اس سے زیادہ گرفت کی ہے۔ فرماتے ہیں:

"بعض لوگ لفظ "مسلمان" سے دھوکا کھا کر اس غلط فہمی میں پڑ گئے ہیں کہ اصل سوال اسلام کے احیاء (Revival) کا نہیں بلکہ مسلمانوں کے احیاء کا ہے۔ یہ غلط فہمی ان کو مسلم قوم پرستی کی حد تک کھینچ لے گئی ہے۔"
(سیاسی کشمکش، حصہ سوم ص: ۱۲۰)

حاکمیت کا مسئلہ

حاکمیت کے مسئلے پر مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں:

"دنیا میں جہاں جو خرابی بھی پائی جاتی ہے اس کی جڑ صرف ایک چیز ہے اور وہ ہے اللہ کے سوا کسی اور کی حاکمیت تسلیم کرنا۔ یہ جڑ جب تک باقی ہے آپ شاخوں کی جتنی چاہیں کتر بیونت کر لیں بجز اس کے کچھ بھی حاصل نہ ہوگا کہ ایک طرف سے مسائل کا نزول بند ہو جائے اور دوسری طرف سے شروع ہو جائے۔ ...

آگے فرماتے ہیں:

رب العالمین اور عالم الغیب والشہادۃ کے سوا کوئی اور تمدن و عمران کے لیے ایسے اصول اور حدود تجویز کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا جو بے لاگ ہوں، جن میں جانبداری، تعصب اور خودغرضی کا شائبہ تک نہ ہو، جو ٹھیک عدل پر قائم ہوں، جن میں تمام انسانوں کے مفاد اور حقوق کا یکساں لحاظ کیا گیا ہو۔ جو گمان و قیاس پر نہیں بلکہ حقائق فطرت کے یقینی علم پر مبنی ہوں۔ ایسے ضابطے کی نعمتوں سے انسان صرف اسی طرح بہرہ ور ہو سکتا ہے کہ وہ خود صاحب امر اور قانون ساز بننے کے زعم سے دست بردار ہو جائے۔ خدا پر اور اس کے بھیجے ہوئے قانون زندگی پر ایمان لائے اور آخرت کی جوابدہی کا احساس رکھتے ہوئے اس ضابطے کو دنیا میں قائم کرے۔"

مسلمانوں کو مخاطب کر کے مولانا کہتے ہیں:

''مسلمانوں کو جان لینا چاہیے کہ بحیثیت ایک مسلم جماعت ہونے کے ہمارا تعلق اس جماعت سے ہے جس کے لیڈر انبیاء علیہم السلام تھے۔ ہر تحریک کا ایک خاص نظام فکر وعمل اور خاص طریق کار ہوتا ہے۔ اسلام کا نظام فکر اور طریق کار وہ ہے جو ہم کو انبیاء علیہم السلام کی سیرتوں سے ملتا ہے۔''

(سیاسی کشمکش، سوم، ص ۸۶ تا ۱۰۰)

اسلام کی حکومت

''جو لوگ اجتماعیت میں کچھ بھی نظر رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ حکومت خواہ کسی بھی نوعیت کی ہو، مصنوعی طریقے سے نہیں بنا کرتی۔ وہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ کہیں بن کر تیار ہو اور پھر ادھر سے لا کر اس کو نصب کر دیا جائے۔''

اسلامی حکومت کی نوعیت کیا ہے؟ اس سلسلے میں مولانا فرماتے ہیں:

''اس کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ... وہ ایک اصولی حکومت ہے۔ میں اسے انگریزی میں Ideological State کہوں گا۔ اس حکومت کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس کی پوری عمارت خدا کی حاکمیت کے تصور پر قائم کی گئی ہے۔''

آگے چل کر فرماتے ہیں:

''دنیا کے انقلابات کی تاریخ آپ کے سامنے ہے۔ آپ سے یہ بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی کہ ایک خاص نوعیت کا انقلاب، اسی نوعیت کی تحریک، اسی نوعیت کے لیڈر اور اسی نوعیت کا اجتماعی شعور اور تمدن و اخلاقی ماحول چاہتا ہے جیسا کہ وہ خود ہے... رسول اللہؐ جب اسلام کی دعوت پر مامور ہوئے تو یہ بات معلوم ہے کہ دنیا میں بہت سے اخلاقی، تمدنی، معاشی اور سیاسی مسائل حل طلب تھے۔ رومی اور ایرانی امپریلزم بھی موجود تھا۔ طبقاتی امتیازات بھی تھے، ناجائز معاشی انتفاع Economic Exploitation بھی ہو رہا تھا اور اخلاقی جرائم بھی پھیلے ہوئے تھے... مگر جس لیڈر کو اللہ نے رہنمائی کے لیے مقرر کیا تھا اس کو دنیا کے اور خود اپنے ملک کے ان بہت سے مسائل میں سے کسی مسئلے نے بھی اپنی طرف متوجہ نہیں کیا بلکہ دعوت اس چیز کی طرف دی گئی کہ خدا کے سوا تمام الٰہوں کو چھوڑ دو اور صرف اسی ایک اللہ کی بندگی اختیار کرو۔

''... اپنی تحریک کے سلسلے میں آں حضرت ﷺ نے اپنے ملک، اپنی قوم، اپنے قبیلے، اپنے خاندان، کسی کے مفاد کی پروا نہ کی۔ اسی چیز نے دنیا کو یقین دلایا کہ آپ انسان کی فلاح کے لیے اٹھے ہیں اور اسی چیز نے آپ کی دعوت کی طرف ہر قوم کے انسان کو کھینچا... البتہ یہ صحیح ہے کہ اس کام کے لیے ایمان شعور اسلامی، ذہنی یکسوئی، مضبوط قوت فیصلہ، اور شخصی جذبات اور ذاتی امنگوں کی سخت قربانی درکار ہے۔ اس کے لیے ان جواں ہمت لوگوں کی ضرورت ہے جو حق پر ایمان لانے کے بعد اس پر پوری طرح نظر جما دیں۔ کسی دوسری چیز کی طرف توجہ نہ کریں۔۔۔۔۔''

(ماخوذ از موجودہ سیاسی کشمکش سوم ص ۸۶۔۱۵۴)

وقت کے حالات و مسائل

مولانا مودودیؒ نے اپنے بنیادی نقطۂ نظر کی وضاحت اور ملّی و وطنی حالات پر نگاہ ڈالی۔ اسی طرح عالم انسانی کو درپیش مسائل و حالات پر بھی توجہ کی۔ فرماتے ہیں:

''دنیا میں اس وقت زبردست توڑ پھوڑ کا عمل جاری ہے۔ یہ تو ہم نہیں جانتے کہ اہل زمین کو محض ان کے کرتوتوں کی سزا ہی دینے کا ارادہ کیا گیا ہے یا اس توڑ پھوڑ کے بعد کوئی صالح چیز بھی بننے والی ہے۔ مگر ظاہر آثار سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ نوع انسانی کی امامت اب تک جس تحریک کے علمبرداروں کو حاصل رہی ہے، اس کی عمر پوری ہو چکی ہے۔ ان کے امتحان کا زمانہ خاتمے پر آ لگا ہے۔ اور سنت اللہ کے مطابق اب وقت آ گیا ہے کہ ان کو ان کی ساری ظاہری تحریک کو انتظام سے بے دخل کر دیا جائے... اب دنیا کے لیے اس تہذیب کو اور زیادہ آزمانے کا کوئی موقع باقی نہیں رہا ہے جو آدمی کو جانور سمجھ کر اور اس جانور کو بے لگام فرض کر کے اپنی تمام شاخوں سمیت عمر طبیعی کو پہنچ چکی ہے، امتحان کی مدت ختم کر چکی ہے... بہت ممکن ہے کہ موجودہ تصادم کے بعد اس کی شاخوں میں سے کوئی شاخ باقی رہ جائے مگر یقیناً اس کا بقا عارضی ہوگا۔ جلد ہی وہ شاخ خود چیخ کر اپنے اندر سے آگ جھاڑے گی اور آپ اپنی ہی آگ سے جل کر خاکستر ہو جائے گی۔''

آیندہ کے امکانات

حالات کی ہمہ پہلو خرابی کے اس جائزے کے بعد مولانا اس سوال پر غور کرتے ہیں کہ اب انسانیت کے مستقبل کے سلسلے میں کیا کیا امکانات ہیں۔ فرماتے ہیں:

''اب رہا یہ سوال کہ آیا اس تہذیب کی تباہی کے بعد دنیا میں پھر کوئی ظلمت کا دور آتا ہے یا کوئی نئی تعمیر شروع ہوتی ہے، تو اس کا فیصلہ دو چیزوں پر منحصر ہے:

ایک یہ کہ جاہلیت خالصہ کی ناکامی کے بعد کوئی اور ایسا نظریہ انسان کو ملتا ہے یا نہیں جو پچھلے فاسد نظریوں سے بہتر ہو، جس سے انسانی عقل صلاح کی توقعات وابستہ کر سکے اور جس پر ایک جاندار اور طاقتور تہذیب قائم ہو سکے۔

دوسرے یہ کہ نوع انسانی میں سے کوئی ایسا گروہ اٹھتا ہے کہ نہیں جس کے اندر جہاد و اجتہاد کی وہ صلاحیتیں ہوں جو ایک نظریے پر ایک نئی تہذیب کا قصر تعمیر کرنے کے لیے ضروری ہیں اور جس کے اخلاق و اوصاف ان لوگوں سے مختلف ہوں جن کی خباثت و شرارت کا ابھی قریب ہی میں انسان کو تجربہ ہو چکا ہے۔

...اگر ایسا کوئی نظریہ بروقت سامنے آجائے اور اس کو لے کر ایک ایسی صالح جماعت اٹھ کھڑی ہو تو یقیناً نوع انسانی ایک دوسرے دور ظلمت سے بچ سکتی ہے۔

...انسانیت کو اس دردناک انجام سے اگر کوئی چیز بچا سکتی ہے تو وہ اس ایک صالح نظریہ اور ایک صالح جماعت کا برسر کار آنا ہے۔ مگر وہ کون سا نظریہ ہو سکتا ہے جس کے لیے آج کامیابی کا کوئی موقع ہو؟'' (سیاسی کشمکش حصہ سوم ص ۱۹۷، ۱۹۸)

اس سوال کا مولانا خود جواب دیتے ہیں:

...مشرکانہ جاہلیت جس پر دنیا کی بہت سی قدیم تہذیبیں قائم ہوئی تھیں، اب اس کے احیاء کا امکان نہیں ہے۔ شرک کی بنیاد کٹ چکی ہے۔...رہی جاہلیت خالصہ تو اس کا اور اس کی پیداوار کا اب دنیا کو اتنا تجربہ ہو چکا ہے کہ اب دنیا اس سے مایوس ہونے والی ہے۔

...ان سب نظریات کی ناکامی کے بعد دنیا اگر کسی نظریے سے فلاح کی امیدیں وابستہ کر سکتی ہے تو وہ صرف ایک ایسا نظریہ ہی ہو سکتا ہے، جو انسان کو انسان قرار دے نہ کہ جانور... انسان کو مختار مطلق اور شتر بے مہار نہ بنائے بلکہ اسے سلطان

کائنات کے اقتدار اعلیٰ کا تابع قرار دے اور اس کے آگے ذمہ دار و جواب دہ ٹھیرائے جو اخلاق کے قابل عمل ضابطے کا انسان کو پابند بنائے، جس میں اپنی خواہشات کے مطابق ردو بدل کرنے کا حق اس کو نہ ہو جو غیر معقول بنیادوں پر انسانیت کو تقسیم کرنے کے بجائے ایک ایسی اخلاقی و روحانی بنیاد فراہم کرے، جس پر انسانیت متحد ہو سکتی ہو۔ ...ایسے اصول انسان کو دے جس پر افراد اور قوموں کے درمیان صحیح اور متوازن عدل قائم ہو سکے۔ جو زندگی کے نفس پرستانہ مقاصد سے اور قدر و قیمت کے مادہ پرستانہ نظریات سے بہتر نظریات انسان کو دے۔ اور ان سب خصوصیات کے ساتھ جو علمی و عقلی اور تمدنی ارتقا میں نہ صرف مدد کرے بلکہ صحیح رہ نمائی کرے اور مادی و اخلاقی ہر دو حیثیت سے اسے ترقی کی طرف لے جائے سوال یہ ہے کہ ایسا ایک نظریہ اسلام کے سوا دنیا میں اور کون سا ہے؟ ...لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہ ہوگا کہ دنیا اب بس مفتوح ہونے کے لیے تیار بیٹھی ہے... دنیا کو آیندہ کے دور ظلمت سے بچانے اور اسلام کی نعمت سے بہرہ ور کرنے کے لیے بس اتنی بات کافی نہیں ہے کہ ایک صحیح نظریہ موجود ہے ___'' (سیاسی کش مکش ص ۱۹۸-۲۰۲)

مولانا آگے فرماتے ہیں:

''اس کے لیے ایسے لوگ درکار ہیں جو اس نظریے پر سچا ایمان رکھتے ہوں، انھیں سب سے پہلے اپنے ایمان کا ثبوت دینا ہوگا۔ اور وہ اسی صورت میں کہ جس اقتدار کا اعتراف کرتے ہیں خود اس کے مطیع بنیں، جس ضابطے پر ایمان لاتے ہیں اس کے خود پابند ہوں، جس اخلاق کو صحیح کہتے ہیں اس کا نمونہ خود بنیں اور جس چیز کو فرض کہتے ہیں اس کا خود التزام کریں اور جس چیز کو حرام کہتے ہیں اسے خود چھوڑ دیں۔ ...لہٰذا آج دنیا کا مستقبل درحقیقت اس امر پر منحصر نہیں ہے کہ کوئی نظریۂ حق انسان کو ملتا ہے یا نہیں کیونکہ نظریۂ حق تو موجود ہے البتہ وہ اگر منحصر ہے تو اس امر پر کہ انسان میں سے کوئی ایسا گروہ اٹھتا ہے یا نہیں جو سچے ایمان اور دھن کے پکے اور اپنی ہر محبوب چیز کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے والوں پر مشتمل ہو...''

(سیاسی کشمکش سوم ص ۲۰۲-۲۰۶)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اور علامہ اقبالؒ

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے وہ خیالات جو ماہ نامہ ترجمان القرآن حیدرآباد میں شائع ہوتے رہے تھے ان سے علامہ اقبالؒ متاثر ہوئے۔ انھوں نے مولانا کو پنجاب منتقل ہوجانے کا مشورہ دیا اور دوسری طرف علامہؒ کے مشورے پر ہی موضع جمال پور پٹھان کوٹ کے چودھری نیاز علی خاں صاحب نے بھی کوشش کی کہ مولانا مودودیؒ جمال پور پٹھان کوٹ منتقل ہوجائیں۔ کچھ دنوں تک تو مولانا منتقلی کے لیے آمادہ نہ تھے لیکن اس کے بعد جمال پور کی تمام متعلقہ چیزیں دیکھیں، اور ملکی حالات کا تغیر بھی سامنے آیا آخر کار منتقل ہوگئے۔

ادارہ دارالاسلام کی لاہور منتقلی

تحریک دارالاسلام کا باضابطہ قیام ۱۷ رشعبان ۱۳۵۷ھ مطابق اکتوبر ۱۹۳۸ء میں وجود میں آیا۔ لیکن جب ادارے کا نقشۂ کار طے ہونے لگا تو ادارے کے مقاصد کے سلسلے میں چودھری نیاز علی اور مولانا مودودی کے درمیان اختلاف پیدا ہوگیا۔ نتیجتاً تقریباً ساڑھے تین ماہ کے بعد ۲۶ رجنوری ۱۹۳۹ء کو مولانا دارالاسلام سے لاہور منتقل ہوگئے اور وہاں یکے بعد دیگرے دو محلوں میں تھوڑے دنوں قیام کے بعد آخر میں اسلامیہ پارک لاہور مستری عبداللہ صاحب کے مکان میں منتقل ہوگئے۔ دارالاسلام سے لاہور منتقلی کے اسباب کے سلسلے میں مولانا نے جناب عنایت اللہ اثری کے نام اپنے ۱۹ راگست ۱۹۴۲ء کے مکتوب میں تحریر فرمایا:

> ”دارالاسلام ٹرسٹ جن لوگوں کے ہاتھ میں تھا وہ چاہتے تھے کہ میں ان کی ہدایت کے تحت کام کروں اور اس کے لیے میں تیار نہ تھا۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ ان کا نصب العین نہایت پست تھا اور وہ پرانے طرز کا ایک مذہبی ادارہ بنانا چاہتے تھے۔“

جماعت اسلامی کا قیام

مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم کے حوالے سے پچھلے صفحات میں تحریک اسلامی کی تشریح اور اس کے لیے کام کرنے والی جماعت کی ضرورت ظاہر کی گئی تھی۔ بعد میں اس کے مطابق رسالہ ترجمان القرآن میں دعوت دی گئی کہ جو لوگ اس نظریے کو قبول کر کے بیان کردہ طرز پر عمل کرنا چاہتے ہوں، وہ دفتر دارالاسلام لاہور کو مطلع کریں۔ اس کے بعد ۲۵ راگست ۱۹۴۱ء کو ایک اجتماع کی تاریخ مقرر ہوئی۔ اجتماع میں سب سے پہلے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے بصورت تقریر فرمایا:

> ”میں نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی طرف توجہ دی، اسلام کو سمجھا اور جان بوجھ کر اس پر ایمان لایا۔ پھر آہستہ آہستہ اسلام کے مجموعی اور تفصیلی نظام کو سمجھنے اور معلوم کرنے کی کوشش شروع کی۔ ادارہ دارالاسلام کا قیام اس سلسلے کا پہلا قدم تھا تحریک کے اطراف کا گہرا جائزہ لینے کے بعد محسوس ہوا کہ اب جماعت اسلامی کی تاسیس اور تحریک اسلامی کو منظم طور پر اٹھانے کے لیے زمین تیار ہوچکی ہے۔۔۔۔

مولانا نے آگے فرمایا:

> ۔۔۔ مسلمانوں میں عموماً جو تحریکیں اٹھتی رہی ہیں اولاً ان میں یا تو اسلام کے کسی جز کو یا مسلمانوں کے دنیوی مقاصد میں سے کسی مقصد کو لے کر بنائے تحریک بنایا گیا ہے۔ لیکن ہم عین اسلام اور اصل اسلام لے کر اٹھ رہے ہیں اور پورا کا پورا اسلام ہی ہماری تحریک ہے۔ ہم ٹھیک وہی نظام جماعت اختیار کر رہے ہیں، جو رسول اللہؐ نے قائم فرمایا تھا۔۔۔۔ ہم جماعت میں کسی شخص کو اس مفروضے پر نہیں لیتے کہ وہ مسلمان

ہوگا" بلکہ وہ کلمہ طیبہ کے معنی و مفہوم کو سمجھ کر، جان کر اس پر ایمان لانے کا اقرار کرتا ہو..... ہم اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت سے ان مسائل زندگی کا وہ حل پیش کرتے ہیں، جس میں سب کی فلاح اور سب کی سعادت ہے۔

مولانا نے مزید فرمایا:

"...اس اجتماع کے انعقاد کی غرض یہ ہے کہ جو لوگ اسلامی عقیدے کو جان بوجھ کر قبول کریں اور اس کے نصب العین کے لیے کام کرنے کے لیے تیار ہوں وہ اپنی انفرادیت کو ختم کر کے اللہ و رسول کی ہدایت کے مطابق ایک جماعت بن کر رہیں۔"

آگے کہا: "میرا کام آپ کو ایک جماعت بنانے کے بعد پورا ہو جاتا ہے ...میری تمام مساعی کی غایت یہ تھی کہ ایک جماعت بن جائے...اب یہ جماعت کا کام ہے کہ اپنے میں سے کسی اہل شخص کو اپنا امیر منتخب کرے... جماعت اپنی طرف سے (امارت کی) ذمہ داری کو ادا کرنے کا فیصلہ کرے، اس کی اطاعت، خیر خواہی اور اس کے ساتھ خیر خواہانہ تعاون کرنا ہر فرد جماعت کی طرح میرا بھی فرض ہوگا۔"

اس تمہیدی تقریر کے بعد دستور جماعت اسلامی کا مسودہ جو پہلے ہی تیار کر لیا گیا تھا، اس کی طبع شدہ کاپیاں شرکاء اجلاس کو دی گئیں۔ سب سے پہلے مودودی صاحبؒ اٹھے اور کلمۂ شہادت اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدا عبده و رسوله، کا اعادہ کیا۔ اس کے بعد باری باری تمام ۷۵ شرکاء اجلاس نے بھی کلمۂ شہادت کا اعادہ کیا اور جلسہ دعا پر برخاست ہوا۔ جن ۷۵ حضرات کے باہمی مشورے سے جماعت کی تشکیل عمل میں آئی ان کے اسماء گرامی کتاب کے آخری صفحات میں درج ہیں۔ تجدید شہادت کے بعد جماعت اسلامی کی خصوصیت کے سلسلے میں مولانا مودودیؒ نے پھر اظہار خیال فرمایا:

"پہلی چیز یہ ہے کہ جماعت کے ہر فرد کو نظام جماعت کا بحیثیت مجموعی اور جماعت کے افراد کا فرداً فرداً سب کا دل سے خیر خواہ ہونا چاہیے.....دوسری چیز یہ ہے کہ آپ کی اس جماعت کی حیثیت دنیوی پارٹیوں کی سی نہیں ہے جن کا تکیہ کلام یہ ہوتا ہے کہ "میری پارٹی حق پر ہو یا ناحق پر" نہیں، آپ کو جس رشتے نے ایک دوسرے سے جوڑا ہے، وہ دراصل اللہ پر ایمان کا رشتہ ہے..... تیسری بات یہ ہے کہ جماعت کے اندر جماعت بنانے کی کیفیت کبھی نہ ہونی چاہیے۔ چوتھی بات یہ ہے کہ باہمی مشاورت جماعت کی زندگی کی جان ہے.....اس کے لیے لازم ہے کہ ذمہ دار اپنے کاموں میں دوسرے رفقاء سے مدد لے۔ پانچویں بات یہ ہے کہ جماعت کے مشورے میں کسی شخص کو اپنی رائے پر اتنا مصر نہ ہونا چاہیے کہ یا تو اس کی بات مانی جائے ورنہ وہ جماعت سے تعاون نہ کرے...آخری چیز جو جماعت کی زندگی کے لیے اہم ترین ہے، یہ ہے کہ اسلام بغیر جماعت کے نہیں اور جماعت بغیر امارت کے نہیں ہے۔ اس قاعدہ کلیہ کے بموجب آپ کے لیے ضروری ہے کہ جماعت کے لیے آپ ایک امیر کا انتخاب کرلیں۔"

امیر کا انتخاب

مولانا کی تقریر کے بعد انتخاب امیر کے مسئلے پر مذاکرہ شروع ہوا۔ جماعت کے سات معزز ارکان پر مشتمل ایک معزز کمیٹی کی تشکیل کی گئی تا کہ وہ باہمی مشورے سے انتخاب امیر کے لیے مناسب صورت تجویز کرے۔

کمیٹی جن حضرات پر مشتمل تھی، ان کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ محمد منظور نعمانی صاحب — مدیر "الفرقان" بریلی
۲۔ سید صبغۃ اللہ بختیاری صاحب — استاذ تفسیر جامعہ دارالسلام عمر آباد مدراس
۳۔ سید محمد جعفر صاحب پھلواروی — امام جامع مسجد کپور تھلہ
۴۔ نذیر الحق صاحب میرٹھی — لائل پور
۵۔ مستری محمد صدیق صاحب — سلطان پور لودھی
۶۔ ڈاکٹر سید نذیر علی صاحب زیدی — الہ آباد
۷۔ محمد ابن علی صاحب علوی کاکوروی — لکھنؤ

کمیٹی کے ارکان نے باہمی مشورے سے درج ذیل صورت تجویز کی۔

علم کتاب و سنت اور حکمت عملی دونوں کا اقتضا یہی ہے کہ جماعت بلا امیر نہ رہے اور امیر کا انتخاب کسی معینہ مدت کے لیے نہ ہو۔ امیر کی خدا ترسی و احساس ذمہ داری سے یہ توقع کی جائے کہ اپنے سے زیادہ اہل آدمی کے آجانے پر وہ اس کے لیے جگہ خالی کر دے گا نیز اسکی

صورت میں جب کہ جماعت اپنے نصب العین کے مفاد کے لیے ضرورت محسوس کرے وہ اپنے امیر کو معزول کرنے کی بھی مجاز ہوگی۔

مولانا محمد منظور نعمانی صاحب نے مجلس کی جانب سے اس تجویز کو پڑھ کر سنایا اور مختصراً اس کی تشریح کی۔ جماعت نے بالاتفاق اسے قبول کرلیا اور طے کیا کہ پوری تجویز دفعہ دہم کی حیثیت سے دستور میں بڑھادی جائے۔

اس کے بعد اتفاق رائے سے لوگوں نے سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کو اپنا امیر منتخب کیا۔ انتخاب کے بعد امیر جماعت نے مختصر تقریر کی، جس میں کہا کہ "میں آپ کے درمیان نہ سب سے زیادہ علم رکھنے والا تھا، نہ سب سے زیادہ متقی، نہ کسی اور معاملے میں مجھے فضیلت حاصل تھی، بہر حال جب آپ نے مجھ پر اعتماد کرکے اس کارِ عظیم کا بار مجھ پر رکھ دیا ہے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں اور آپ لوگ بھی دعا کریں کہ مجھے اس بار کو سنبھالنے کی قوت عطا فرمائے اور آپ کے اس اعتماد کو مایوسی میں تبدیل نہ ہونے دے۔ میں اپنی حد وسع تک انتہائی کوشش کروں گا کہ اس کام کو پوری خدا ترسی اور احساس ذمہ داری کے ساتھ نبھاؤں۔ ..."

(اقتباسات ماخوذ از روداد جماعت اسلامی حصہ اول)

مجلس شوریٰ کا انتخاب اور دیگر شعبوں کا قیام

اب امیر جماعت نے اصحاب شوریٰ کا انتخاب کیا اور اگلے روز ۲۶ اگست ۱۹۴۱ء کو شوریٰ کا پہلا اجلاس ہوا اور تحریک کے مستقبل اور جماعت کے لائحہ عمل پر غور و خوض اور بحث و مذاکرہ کے بعد درج ذیل شعبے قائم کیے گئے:

شعبہ علمی و تعلیمی

جو ایک ایسا نظریہ تعلیمی اور نظام تعلیم و تربیت مرتب کرے جو اسلام کے مزاج سے ٹھیک ٹھیک مناسبت رکھتا ہو۔ اس سلسلے میں دنیا کے رائج الوقت تعلیمی نظریات اور نظامات کا بھی تنقیدی اور تحقیقی مطالعہ کیا جائے۔ اپنے نظریۂ تعلیمی کے مطابق نصاب اور معلمین تیار کرے اور [illegible] ایک درس گاہ قائم کرکے آیندہ نسل کی ذہنی و اخلاقی تربیت کا آغاز کردے۔

ایک ایسی تربیت گاہ قائم کرے جو اسلامی انقلاب کے لیے بہترین کارکن تیار کرے۔

شروع میں یہ شعبہ مرکز میں امیر جماعت کی براہ راست نگرانی میں رہے گا بعد میں اگر ممکن ہوا تو اس کی شاخیں باہر بھی ایسے مقامات پر قائم کردی جائیں گی، جہاں ایسے شعبوں کے لیے مناسب اشخاص موجود ہوں۔

جماعت کے تمام کارکنوں اور خصوصاً مقامی جماعتوں کے امراء کا فرض ہوگا کہ جہاں جہاں اس شعبے میں کام کرنے کی اہلیت رکھنے والے لوگ ملیں، ان کے متعلق ضروری معلومات امیر جماعت کو بہم پہنچائیں۔

۲۔ شعبہ نشر و اشاعت

شعبہ علمی و تعلیمی سے جو لٹریچر تیار کیا جائے اس کو پھیلانے کا کام اس شعبے کے سپرد کیا جائے گا۔

۳۔ شعبہ تنظیم جماعت

یہ شعبہ کارکنوں کو ہدایت دے گا، مقامی جماعتوں کی نگرانی کرے گا اور جو اشخاص یا ادارے یا جماعتیں عقیدہ و نصب العین میں جماعت اسلامی سے متفق ہوں ان سے ربط قائم کرنے کی سعی کرے گا۔ شعبے کی شاخیں درج ذیل ہوں گی:

۱۔ حلقہ سرائے میر: جہاں امین احسن صاحب اصلاحی نائب امیر ہوں گے
۲۔ حلقہ بریلی: جہاں محمد منظور صاحب نعمانی نائب امیر کی حیثیت سے کام کریں گے
۳۔ صوبہ مدراس و دکن: اس صوبے کا صدر مقام عمرآباد ضلع شمالی آرکاٹ ہوگا، جہاں سید صبغۃ اللہ بختیاری نائب امیر ہوں گے
۴۔ انبالہ و جالندھر: انبالہ و جالندھر ڈویژن کے لیے صدر مقام کپورتھلہ ہوگا، جہاں محمد جعفر صاحب پھلواروی نائب امیر ہوں گے

۴۔ شعبہ دعوت و تبلیغ

یہ شعبہ جماعت کا سب سے اہم شعبہ ہے۔ جماعت اسلامی کا ہر رکن لازمی طور پر اس شعبے کا کارکن ہوگا۔

مجلس شوریٰ محرم ۱۳۶۱ھ مطابق فروری ۱۹۴۲ء

تشکیل جماعت کے بعد مجلس شوریٰ کا اجلاس فروری ۱۹۴۲ء کو منعقد ہوا، جس میں درج ذیل حضرات شریک ہوئے:

۱۔ محمد منظور نعمانی صاحب
۲۔ امین احسن اصلاحی صاحب
۳۔ ابوالحسن علی ندوی صاحب لکھنؤ
۴۔ سید محمد جعفر صاحب کپورتھلہ
۵۔ نذیر الحق صاحب میرٹھی
۶۔ محمد علی صاحب کاندھلوی (سیالکوٹ)
۷۔ عبدالعزیز صاحب شرقی
۸۔ نصراللہ خاں عزیز صاحب
۹۔ چودھری محمد اکبر صاحب لائل پور
۱۰۔ ڈاکٹر سید نذیر علی صاحب زیدی الٰہ آباد
۱۱۔ مستری محمد صدیق صاحب
۱۲۔ عبدالجبار صاحب غازی دہلی
۱۳۔ قمرالدین خاں صاحب
۱۴۔ عطاء اللہ صاحب بنگال
۱۵۔ محمد ابن علوی صاحب
۱۶۔ یوسف صاحب بھوپال

شعبے کے بعض فیصلے درج ذیل ہیں:

□ لوگوں کو عام طور پر شرکت جماعت کی نہیں بلکہ اس عقیدہ و نصب العین کی دعوت دی جائے گی، جس پر جماعت قائم ہوئی ہے۔

جمال پور پٹھان کوٹ کی طرف مراجعت

مرکز جماعت کے لیے جگہ تلاش کی جارہی تھی۔ اس کے لیے چودھری نیاز علی خاں نے از سرِ نو بستی جمال پور ٹرسٹ میں واقع دارالاسلام کی عمارتوں کی پیش کش کی تھی، جسے عارضی طور پر شوریٰ کے مشورے سے قبول کرلیا گیا اور ۱۵ جون ۱۹۴۲ء کو جماعت کا مرکز دارالاسلام کی عمارتوں میں منتقل ہوگیا۔

اجلاس شوریٰ شوال ۱۳۶۲ھ مطابق اکتوبر ۱۹۴۲ء

مجلس شوریٰ کا ایک اور اجلاس ۱۹۴۲ء میں منعقد ہوا جس میں حسب ذیل اصحاب شریک ہوئے:

۱۔ مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی۔ (لکھنؤ)
۲۔ یوسف صاحب۔ (بھوپال)
۳۔ سید صبغۃ اللہ صاحب بختیاری
۴۔ حکیم عبداللہ صاحب۔ (حصار)
۵۔ سید عبدالعزیز صاحب شرقی
۶۔ ملک نصراللہ خاں عزیز صاحب
۷۔ قاضی حمید اللہ صاحب۔ (سیالکوٹ)
۸۔ محمد ابن علوی صاحب کاکوروی
۹۔ سید محمد جعفر صاحب پھلواروی۔ (کپورتھلہ)
۱۰۔ عطاء اللہ صاحب۔ (نواکھالی)
۱۱۔ عبدالجبار صاحب غازی
۱۲۔ مولانا محمد منظور صاحب نعمانی۔ (بریلی)
۱۳۔ قمرالدین صاحب

یہ اجلاس دراصل ان اختلافات کے پیش نظر منعقد ہوا تھا، جو پہلے ہی بعض حضرات کی جانب سے سامنے آچکے تھے۔

مولانا مودودیؒ صاحب نے ان مسائل پر اظہار خیال کرتے ہوئے غور کے لیے چند صورتیں پیش کیں۔

ایک یہ کہ وہ (مولانا مودودیؒ) خود استعفیٰ دیتے ہیں، ان کی جگہ کسی دوسرے شخص کو رہنما منتخب کرلیا جائے۔

دوسرے یہ کہ تین چار آدمی مل کر اس کام کو سنبھالیں۔

تیسری صورت یہ کہ جماعت کا یہ نظام جو موجود ہے اسے توڑ دیا جائے اور ان سب لوگوں کو جو اس نصب العین کی خدمت کا عہد کر چکے ہیں، ان میں جس کا جس پر اعتماد ہو وہ اس کے ساتھ ہو کر کام کرے۔

ارکان شوریٰ کی اکثریت کا کہنا یہ تھا کہ چند اشخاص کے اختلاف کی وجہ سے جماعت کو توڑنے کے بجائے وہ اشخاص جماعت سے الگ ہو سکتے ہیں، جو ساتھ رہ کر نہیں چل سکتے۔ اس دلیل کے وزن کو عام طور پر محسوس کیا گیا۔ البتہ صرف چار حضرات مولانا محمد منظور صاحب نعمانی، مولانا سید جعفر صاحب کپور تھلہ، قمر الدین خاں صاحب سابق ناظم جماعت اور عطاء اللہ صاحب نواکھالی بنگال کا اختلاف سامنے آیا اور انھوں نے جماعت سے علیحدگی اختیار کرلی۔

اس کے بعد امیر جماعت نے اختلافات پر مبنی تحریر اور اس کا جواب ارکان شوریٰ کے سامنے پیش کیا اور ان سے کہا کہ وہ موازنہ کر کے آزادی کے ساتھ فیصلہ کرلیں کہ انھوں نے ایک سال پہلے جس شخص کو منتخب کیا وہ اسے اب بھی منتخب کرنا چاہتے ہیں یا نہیں؟ ارکان شوریٰ کا جواب اثبات میں تھا۔

[نوٹ: مولانا نے بیان فرمایا: ''مجھے افسوس ہے کہ یہ تحریر جس کا تعلق تنہا میری ذات سے نہیں ہے بلکہ دراصل جماعت اور تحریک سے ہے، مجھے بصیغہ راز داری دی گئی ہے اور صاحب تحریر کا اصرار اب بھی یہی ہے کہ اسے پرائیویٹ ہی رکھا جائے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ تحریر اور اس کا جواب سامنے کر دیا جاتا]۔

اس کارروائی کے بعد طے کیا گیا کہ جماعت کی تنظیم کے لیے ابتداء میں جو حلقے بنائے گئے تھے باستثناء حلقہ دکن ان کو توڑ دیا جائے اور طے کیا گیا کہ ان تمام حلقوں کی مقامی جماعتوں کا تعلق براہ راست مرکز سے رہے گا البتہ دکن کی جماعتیں بدستور مولانا صبغۃ اللہ صاحب کی نگرانی میں رہیں گی۔

اجتماعات

تنظیمی حلقوں کے اجتماعات

کچھ تو مرکز میں مطلوبہ خصوصی صلاحیتوں کے حامل افراد کی غیر موجودگی کی وجہ سے اور کچھ اس وجہ سے بھی کہ جنگ عظیم نے حالات پر غیر معمولی اثرات ڈالے تھے۔ خود امیر جماعت کو حسب ضرورت باقاعدہ دوروں کے لیے موقع نہیں تھا۔ البتہ ۱۹۴۳ء کے اواخر سے مختلف علاقوں کے لیے اجتماعات منعقد کیے جا سکے۔

اجتماع دربھنگہ

پہلا اجتماع اکتوبر ۱۹۴۳ء میں بمقام دربھنگہ بہار میں ہوا۔ یہ اجتماع مشرقی یوپی اور بہار کے ارکان جماعت کے لیے تھا۔ اس اجتماع میں امیر جماعت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، مولانا امین احسن اصلاحی صاحب، مولانا صدر الدین صاحب اصلاحی، مولانا مسعود عالم صاحب ندوی اور پٹنہ و بہار کے کچھ دوسرے ارکان، سید حسنین صاحب جامعی وغیرہ نے شرکت کی۔

امیر جماعت نے اپنی ابتدائی تقریر میں چند اہم امور پر روشنی ڈالی، جو درج ذیل ہیں:

- ☐ تحریک اس وقت کس مرحلے پر ہے؟
- ☐ کس نوعیت کی مشکلات درپیش ہیں؟
- ☐ مالیہ کی حالت کیا ہے؟
- ☐ کام کو کس نقشے پر بڑھانا مد نظر ہے؟
- ☐ تحریک جماعت اسلامی اور دوسری تحریکوں کی نوعیت میں کیا فرق ہے؟

- ☐ کس کس قسم کے کام کوئی قدم آگے اٹھانے سے پہلے کر لینے ضروری ہیں؟
- ☐ جن بعض ارکان جماعت میں سرد مہری پائی جاتی ہے، اس کے اصل وجوہ کیا ہیں؟

امیر جماعت کی تقریر کے بعد مقامی و علاقائی رپورٹیں پیش ہوئیں۔ پھر امیر جماعت نے ان پر تبصرہ فرمایا اور درج ذیل مشورے عنایت فرمائے:

جماعت کی طرف سے شائع ہونے والے لٹریچر کا مطالعہ کیا جائے۔ پس ماندہ رفقاء کو اٹھانے اور ابھارنے کے لیے ہمدردی و اخلاص کے ساتھ کوشش کی جائے۔ دعوت کو مختلف حلقوں میں پھیلانے کی تدابیر اختیار کی جائیں۔ ہفتہ وار اجتماع میں ہر فرد کی کارکردگی کا جائزہ لیا جائے اور جو مزاحمتیں پیش آ رہی ہوں، انھیں دور کرنے کی تدابیر سوچی جائیں۔ اگر مقامی جماعت میں کوئی صاحب درس قرآن دینے کی اہلیت رکھتے ہوں تو ان کا درس ہو بصورت دیگر تفہیم القرآن کی مدد سے کتاب اللہ میں بصیرت حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔

اجتماع کے اگلے روز شرکاء اجتماع سے امیر جماعت نے فرداً فرداً ملاقات کی، ان کے حالات کا جائزہ لیا اور حسب حال مشورے نوٹ کرائے۔

اجتماع دارالاسلام

اجتماع دربھنگہ کے بعد دوسرا اجتماع ۲۶ تا ۲۸ مارچ ۱۹۴۳ء کو دارالاسلام جمال پور پٹھان کوٹ میں ہوا۔ یہ اجتماع پنجاب، سندھ، سرحد، کشمیر اور بلوچستان کے ارکان جماعت کے لیے تھا، جس میں بعض ہمدردان جماعت بھی شریک تھے۔ یوپی سے مولانا امین احسن اصلاحی اور بہار سے جناب حسنین سید صاحب نے شرکت فرمائی۔ تقریباً ۱۵۰ افراد شریک اجتماع تھے۔ اس موقعے پر امیر جماعت نے بتایا کہ جماعت کی رکنیت سے متعلق افراد پر کیا کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔

امیر جماعت کی تقریر

امیر جماعت نے اپنی تقریر میں چند اہم امور کی طرف توجہ دلائی۔ مثلاً نظام جماعت سے منسلک ہو جانے کے بعد آدمی کے لیے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ جماعت کی پکار سن کر دوڑ پڑے اور سارے کام چھوڑ دے۔ الا یہ کہ وہ حالات درپیش ہوں، جن میں خدا و رسول نے خود رخصت دی ہو۔

ایک بنیادی کمزوری جو روز بروز شدت کے ساتھ محسوس کی جا رہی ہے یہ ہے کہ ہمارے عوام تو دین کے فہم اور اس کے ادراک سے محروم ہیں ہی مگر ہمارے درمیان جو لوگ مذہبی میلان رکھنے والے ہیں، اس معاملے میں وہ ان سے بھی کچھ آگے ہیں۔ مخلص اور نیک نیت لوگوں تک کا یہ حال ہے کہ دین کی حقیقی قدروں کو انھوں نے دوسری قدروں سے بدل دیا ہے یا خلط ملط کر دیا ہے۔

ہندستانی مسلمانوں کے سامنے اس وقت صرف دو قسم کی دعوتیں ہیں۔ ایک طرف ہماری یہ دعوت ہے کہ جو مسلمانوں کو ٹھیک اس کام کے لیے بلا رہی ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے مسلم جماعت کی تاسیس و تشکیل کی واحد غرض قرار دیا ہے اور دوسری طرف وہ دعوتیں ہیں، جن کے پیش نظر مسلمانوں کے دنیوی مفاد کی خدمت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ ان دو متقابل پکاروں میں سے دوسری پکار کی طرف مسلمانوں کا فوج در فوج لپکنا اور پہلی پکار کو امت کی عظیم اکثریت کے بہرے کانوں سے سننا، اکابر امت اور علماء و مشائخ کا اس سے بے اعتنائی برتنا یا اس کی کھلی چھپی مخالفت پر اتر آنا اور ایک گروہ قلیل کا اس کی طرف بڑھنا بھی رکتے جھجکتے اور پس و پیش کرتے ہوئے بڑھنا میرے نزدیک ایک نہایت بری علامت اور ایک عظیم خطرہ ہے، جس میں مسلمان قوم اپنے آپ کو ڈال رہی ہے۔ خوب جان لیجیے کہ اگر اس وقت اس قوم میں سے کچھ آدمی بھی ایسے نہ نکلے جو امت وسط اور شہداء علی الناس بننے کے قابل ہوں اور وہ خدمت انجام دے سکیں، جس کے لیے اللہ تعالیٰ اپنی زمین پر ایک صالح و مصلح گروہ کو کمر بستہ دیکھنا چاہتا ہے تو پھر بعید نہیں کہ اللہ کسی دوسری ایسی قوم کو لے آئے جو اللہ کو محبوب ہو اور اللہ اسے محبوب ہو۔

مولانا نے فرمایا: اس دعوت کو کم سے کم جو صفات مطلوب ہیں وہ یہ ہیں کہ:-

۱۔ شخصی اوصاف: پہلا اور بنیادی وصف یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے نفس سے لڑ کر پہلے اسے مسلمان اور اللہ کا مطیع و فرمان بنائے۔

دوسرا درجہ ہجرت کا ہے۔ اس کا اصل مدعا گھر بار چھوڑنا نہیں ہے بلکہ خدا کی نافرمانی سے بھاگ کر خدا کی رضا جوئی کی طرف بڑھنا ہے۔

جماعتی حیثیت سے نظم کو مستحکم اور کارگر بنانے کے لیے ضروری ہے کہ افراد جماعت کے درمیان محبت اور ہمدردی ہو اور آپس میں حسن ظن اور اعتماد ہو، آپس میں مل کر کام کرنے کی

صلاحیت ہو، ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کرنے کی عادت ہو، خود آگے بڑھیں اور اپنے ساتھ دوسروں کو آگے بڑھائیں۔

صفات کی ایک اور قسم یہ ہے کہ مجاہد فی سبیل اللہ کو یہ معلوم ہو کہ اسے کیا کیا تیاریاں کرنی ہیں؟ ان میں سب سے پہلی صفت صبر ہے۔ صبر کے بغیر خدا کی راہ میں کیا، کسی راہ میں بھی مجاہدہ نہیں ہو سکتا۔

دوسری صفت ایثار ہے۔ وقت کا، محنتوں کا، اور مال کا ایثار۔

تیسری صفت دل کی لگن ہے۔ محض دماغی طور پر ہی کسی شخص کا اس تحریک کو سمجھ لینا اور اس پر عقلاً مطمئن ہو جانا یہ اس راہ میں اقدام کے لیے صرف ایک ابتدائی قدم ہے — یہاں تو اس کی ضرورت ہے کہ دل میں ایک آگ بھڑک اٹھے، زیادہ نہیں تو کم از کم اتنی آگ شعلہ زن ہو جانی چاہیے جتنی اپنے بیمار بچے کو دیکھ کر ہو جاتی ہے۔

چوتھی صفت اس راہ میں یہ ہے کہ ہمیں مسلسل اور پیہم سعی اور منضبط (Systematic) کام کرنے کی عادت ہو۔

امیر جماعت کی تقریر کے بعد اجتماع کی دوسری نشست ۲۷ مارچ کو صبح کے وقت منعقد ہوئی، جس میں مختلف جماعتوں کے نمائندوں نے تفصیلاً اپنے کام اور مشکلات کو اجتماع میں پیش کیا۔

اس کے بعد مولانا امین احسن صاحب اصلاحی نے تقریر فرمائی۔ تقریر میں مقامی رپورٹوں پر تبصرہ بھی تھا اور کچھ مفید مشورے بھی۔

اس کے بعد تیسری نشست ہوئی۔ اس میں کچھ تجویزیں پیش ہوئیں، جن کے بارے میں حسب حال امیر جماعت اور چند دوسرے شرکاء نشست نے اظہار خیال کیا۔ سب سے آخر میں امیر جماعت نے اختتامی تقریر فرمائی جو اہم ہدایات اور مشوروں پر مشتمل تھی۔

امیر جماعت کی اختتامی تقریر

دعوتی کام میں اصل الاصول پر توجہ ہونی چاہیے۔ فروع و جزئیات کے باب میں اصلاح اس طرح نہیں ہو سکتی کہ ایک ایک جز کو مرکز توجہ بنایا جائے۔ توحید، نبوت اور معاد سے متعلق صحیح شعور و ادراک پیدا ہو جانے پر فروع و جزئیات کے معاملے میں با آسانی اصلاح ہو جاتی

ہے۔ آں حضور کی دعوت سے روگردانی کرنے والوں میں سے ایک بالکل مختصر سا گروہ وہ تھا جو خود ذاتی اغراض کی بنا پر مخالفت کر رہا تھا۔ باقی سب لوگ فریب خوردہ و مسحور تھے۔ پھر جب تحریک پھیل گئی اور حق سامنے آ گیا تو حق پسند لوگوں کے لیے انکار کے راستے مسدود ہو گئے — آج بھی کامیابی کا یہی راستہ ہے۔

جو اصحاب ہمیں دوسرے مقررین کے ساتھ اپنے خیالات کے اظہار کی دعوت دیں ان کے سامنے دانش مندانہ انداز میں معذرت پیش کر دی جائے۔ کیونکہ مختلف بولیوں میں ہماری بات کو بھی بالعموم ایک بولی ہی سمجھا جائے گا۔ البتہ جو دوسرے حضرات ہماری دعوت کو سمجھنے لگے ہیں خود ان ہی کے ذریعے رفتہ رفتہ بات دوسرے لوگوں تک پھیلنے لگے گی۔

ہفتہ وار اجتماع میں پابندی سے شرکت ہونی چاہیے۔ جو رفقاء جماعت اس کی پابندی نہ کر سکیں، ان سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ اپنی دعوتی ذمہ داری کو صحیح طریقے سے ادا کر سکیں گے۔

تعلیم بالغان کا جہاں کہیں نظم کیا جا سکے، اس کی کوشش کی جانی چاہیے۔ جو بالغان زیر تعلیم و تربیت ہوں گے ایک طرف خود انھیں فائدہ حاصل کرنے کا موقع ملے گا تو دوسری طرف ان کے ذریعے جماعت کا لٹریچر دوسرے لوگوں تک پہنچنے لگے گا۔ ہمارے ملک میں تعلیم کی شرح بہت ہی کم ہے اور یہاں دوسرے ملکوں کی طرح وہ آسانی نہیں ہے، جہاں خواندگی کی شرح کافی ہے اور قلیل مدت میں کوئی کتاب مطالعہ کے لیے لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ جاتی ہے۔

مدارس اور مکاتب کا قیام اسی وقت ضروری و مفید ہے جب کہ اس سے تعلیم و تربیت کا اصل مقصد جو ہمارے پیش نظر ہے، اس کے حصول میں مدد مل رہی ہو۔ بصورت دیگر رفقاء جماعت کی توجہ کا بڑا حصہ مدارس و مکاتب اپنی طرف کھینچ لیں گے۔ اس کے علاوہ طرح طرح کے مسائل بھی پیدا ہونے لگیں گے۔

اجتماع وسطی ہند دہلی

یہ اجتماع ۲۳،۲۲ اپریل ۱۹۴۴ء کو دہلی میں منعقد ہوا۔ دہلی، یوپی، بھوپال اور وسطی ہند کے ارکان نے شرکت کی۔ اجتماع کے ناظم غازی عبدالجبار صاحب تھے۔ پچاس ارکان اجتماع میں شریک تھے۔ ان کے علاوہ بہار سے مولانا مسعود عالم ندوی صاحب، سید حسنین جامعی صاحب

اور مالا بار سے حاجی محمد علی شریک ہوئے اور پنجاب سے بھی متعدد ارکان جماعت نے شرکت کی۔

سب سے پہلے مقامی جماعتوں کے حالات اور اس کے بعد دعوت و تبلیغ کا جائزہ لیا گیا۔ پھر امیر جماعت نے تقریر فرمائی اور شرکائے اجتماع کو ہدایات اور مفید مشورے دیے۔

جنوبی ہند اجتماع حیدرآباد دکن

اس اجتماع میں حیدرآباد کے علاوہ مدراس اور بمبئی کے رفقاء شریک ہوئے۔ جناب محمد یونس صاحب ناظم اجتماع تھے۔ امیر جماعت نے ارکان، کارکنان اور مقامی جماعت کے نمائندگان سے ملاقاتیں کیں اور انھیں ہدایات دیں۔ امیر جماعت کی تقریر کے بعد شرکا کا اجلاس کا باہمی تعارف ہوا۔

اجتماع یوپی الہ آباد

یہ اجتماع بھی ۱۹۴۴ء کے اواخر میں ہوا۔ اس اجتماع سے کچھ دنوں پہلے جناب میاں طفیل محمد صاحب کا بحیثیت قیم جماعت تقرر ہو چکا تھا۔ یوپی کے مختلف علاقوں سے ارکان جماعت نے شرکت کی۔ مرکز سے مولانا امین احسن صاحب اصلاحی اور میاں طفیل محمد صاحب نے شرکت فرمائی۔ اجتماع کے ناظم ڈاکٹر سید نذیر علی صاحب تھے۔ مولانا امین احسن صاحب اصلاحیؒ نے قرآن مجید کا درس دیا۔ مقامی رپورٹیں پیش ہوئیں۔ مولانا امین احسن صاحب اصلاحیؒ نے رپورٹوں پر تبصرہ بھی فرمایا اور مناسب حال ہدایات اور مشورے عنایت فرمائے۔

کل ہند اجتماعات

پہلا کل ہند اجتماع

جماعت کا پہلا کل ہند اجتماع اپریل ۱۹۴۵ء میں دارالاسلام پٹھان کوٹ میں منعقد ہوا۔ آٹھ سو سے زائد حضرات شریک اجتماع تھے۔ امیر جماعت نے افتتاحی تقریر فرمائی۔ اجتماع کی شرعی حیثیت بیان کی اور شرکت کے آداب اور قاعدے واضح کیے۔ اس کے بعد قیم جماعت نے چار سالہ کارگزاری کی رپورٹ پیش کی، اس میں بتایا گیا تھا کہ جماعت کے تنظیمی و دعوتی کام میں کس حد تک پیش رفت ہوئی ہے یہ بھی بتایا کہ لٹریچر کے عربی ترجمے کے لیے مولانا مسعود عالم ندوی کا تقرر کیا گیا ہے اور ملیالم اور تمل اور گجراتی زبانوں میں بھی ترجمے کا کام شروع ہو گیا ہے اور چند پمفلٹ بھی شائع کیے گئے ہیں۔ مرکز میں مولانا امین احسن اصلاحی صاحب اور غازی محمد عبدالجبار صاحب مرکزی درس گاہ دارالاسلام کے لیے بلائے گئے۔

قیم جماعت نے اپنی رپورٹ میں یہ بھی بتایا کہ اجتماع کے وقت تک جماعت کے حلقۂ اثر میں پنجاب کے تقریباً ہر گوشے میں آواز پہنچ چکی ہے۔ حیدرآباد (دکن) اور مدراس کے متعدد علاقوں میں اور اسی طرح یوپی اور بہار کے متعدد علاقوں میں بھی ایک حد تک دعوت پہنچی ہے۔ بمبئی، صوبہ سرحد، بنگال، کلکتہ اور اس کے مضافات میں جماعت اسلامی کا پیغام پہنچا ہے۔ لیکن اڑیسہ، آسام اور بلوچستان میں اس وقت تک ہم کوئی قابل ذکر کام نہیں کر سکے ہیں۔ البتہ کہیں کہیں اکا دکا اصحاب کوئی کتاب یا رسالہ منگوانے لگے ہیں۔ بنگال، سندھ اور جنوبی ہند میں زبان کا معاملہ ایک بہت بڑی رکاوٹ ہے وہاں کی علاقائی زبانوں میں اب تک ہمارا لٹریچر موجود نہیں ہے۔

قیم جماعت کی رپورٹ کے بعد مقامی وعلاقائی رپورٹیں پیش کی گئیں۔

رپورٹوں کے بعد امیر جماعت نے ایک اہم تقریر یوں ارشاد فرمائی:

دعوت اسلامی اور اس کا طریقۂ کار

اگر ہم اپنی اس دعوت کو مختصر طور پر بیان کرنا چاہیں تو یہ تین نکات (Points) پر مشتمل ہوگی۔

۱۔ یہ کہ ہم بندگان خدا کو بالعموم اور جو پہلے سے مسلمان ہیں ان کو بالخصوص اللہ کی بندگی کی دعوت دیتے ہیں۔

۲۔ یہ کہ جو شخص بھی اسلام قبول کرے یا اس کو ماننے کا دعویٰ یا اظہار کرے اس کو ہم دعوت دیتے ہیں کہ وہ اپنی زندگی سے منافقت اور تناقض کو خارج کرے اور جب وہ مسلمان ہے یا بنتا ہے تو مخلص مسلمان بنے اور اسلام کے رنگ میں رنگ کر یک رنگ ہو جائے۔

۳۔ یہ کہ زندگی کا نظام جو آج باطل پرستوں، فساق و فجار کی رہنمائی اور قیادت و فرماں روائی میں چل رہا ہے اور معاملات دنیا کے انتظام کی زمام کار جو خدا کے باغیوں کے ہاتھ میں آگئی ہے ہم یہ دعوت دیتے ہیں کہ اسے بدلا جائے اور رہنمائی عملی و نظری دونوں حیثیتوں سے مومنین وصالحین کے ہاتھوں میں منتقل ہو۔

(یہ تقریر "دعوت اسلامی اور اس کے طریقۂ کار" کے عنوان سے مختصر کتاب کی شکل میں بھی شائع ہوئی ہے)

اس کے بعد امیر جماعت نے رفقاء جماعت سے خطاب کیا اور ضروری ہدایات اور مشورے دیے۔

خطبۂ جمعہ

خطبہ میں امیر جماعت نے حمد و ثناء کے بعد رسمی اور حقیقی اسلام کا فرق واضح کیا جو دراصل قرآن مجید کی درج ذیل آیت کریمہ کی وضاحت پر مشتمل تھا:

إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ۔

"یعنی اے محمد ﷺ کہو، میری نماز اور میرے تمام مراسم عبودیت، اور میرا جینا اور میرا

مرنا سب کچھ اللہ کے لیے ہے جو ساری کائنات کا مالک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے میں اس کی اطاعت میں سر تسلیم خم کرتا ہوں۔"

اس آیت کی جو تشریح خود نبیؐ نے فرمائی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کی محبت اور دشمنی اور اپنی دنیوی زندگی کے معاملات میں اس کا لین دین خالصتاً خدا کے لیے ہونا عین تقاضائے ایمان ہے۔ اس کے بغیر ایمان کی ہی تکمیل نہ ہوگی۔ کجا کہ مراتب عالیہ کا دروازہ کھل سکے۔

یہ سمجھنا کہ اس قسم کی چیزیں مراتب عالیہ کا دروازہ ہیں ورنہ ایمان و اسلام کے لیے انسان کے اندر یہ کیفیت پیدا ہونا شرط نہیں غلط فہمی ہے۔ اور اس غلط فہمی کے پیدا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر فقہی اور قانونی اسلام اور اس حقیقی اسلام میں جو خدا کے ہاں معتبر ہے فرق نہیں کیا جاتا۔

تجاویز اور مشورے

اب تجاویز پر غور کرنا تھا جو پہلے ہی سے رفقاء جماعت کی طرف سے تحریری شکل میں مل چکی تھیں۔ بعض تجاویز پر امیر جماعت کی جانب سے اظہار خیال ہوا۔ تجاویز اور ان کے جواب کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

تجویز (۱): مجوزہ تعلیمی درس گاہ جلد قائم کی جائے۔

جواب: عارضی ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کے لیے زیادہ عمارات کی ضرورت نہیں ہے اس لیے ان کے قیام کی کوشش جلد شروع کی جا سکے گی۔ رہی ابتدائی تعلیم تو اس کے لیے انتظار کرنا ہوگا البتہ تیاری کی جاتی رہے گی۔

تجویز (۲): ہر رکن کو جسمانی مشقت برداشت کرنے کا خوگر بنانے کے لیے ضروری ہدایات دی جائیں۔

جواب: اگر اس تجویز سے مقصود یہ ہے کہ لوگوں کو مصنوعی طور پر کچھ جفاکشی کے طریقے اختیار کرنے کا حکم دیا جائے تو یہ فضول بات ہے۔ اس کی ضرورت کا احساس ابھرنے سے پہلے مصنوعی طور پر اس کے لیے عمل کریں گے تو اس کے سوا کچھ نہ ہوگا کہ کچھ دنوں تک اسے بے دلی و بد دلی کے ساتھ لیا جاتا رہے گا اور رفتہ رفتہ ختم ہو جائے گا اور اگر مقصد فنون سپہ گری کے سکھانے کے لیے اکھاڑے قائم کرنا ہو تو یہ ہمارے طریقۂ کار کے بالکل خلاف ہے۔

تجویز (۳) : عورتوں اور بچوں کے لیے آسان لٹریچر تیار کیا جائے۔

جواب: یہ ضرورت بڑی حد تک ہماری ابتدائی تعلیم کے نصاب سے پوری ہو جائے گی البتہ عورتوں کی تربیت کے لیے ہمیں عورتوں ہی کا تعاون حاصل کرنا ہوگا۔

تجویز (۴) : صحیح اسلامی تاریخ کی تجویز۔

جواب: یہ ہماری مجلس تحقیقات علمیہ (اکیڈمی) کے پروگرام میں شامل ہے۔ جسے اپنی درس گاہ کو شروع کرنے کے بعد ان شاء اللہ ہم عملی جامہ پہنائیں گے۔

تجویز (۵) : عوام اور غیر مسلم افراد کے لیے آسان لٹریچر کی فراہمی۔

جواب : جو لوگ انشاء پردازی کی قابلیت رکھتے ہیں وہ اپنا جائزہ لے کر خود اندازہ کریں کہ وہ کس طرح کے لوگوں کے لیے کس قسم کی چیزیں لکھ سکتے ہیں۔ جہاں تک اشاعت کا تعلق ہے ایسی چیزوں کو ہمارا مکتبہ خود شائع کر سکتا ہے۔

عوام سے ربط پیدا کرنے کے لیے بہترین صورت تعلیم بالغان کا نظم کرنا ہوگا۔

نوٹ: تعلیم بالغان کے لیے نصاب مرتب کرنے اور دوسرے مرتب کردہ نصاب سے اخذ کرنے کی ذمہ داری محمد شفیع مونس ٹیچر اینگلو عربک ہائر سکنڈری اسکول اجمیری گیٹ دہلی اور سید تقی احمد صاحب دارالاسلام پٹھان کوٹ نے اپنے ذمہ لی۔

تجویز (۶) : سجادہ نشینوں اور پیروں کو اس تحریک کی طرف دعوت دینے کے لیے کوئی خاص قدم اٹھایا جائے۔

جواب: اس میں شک نہیں کہ ہمارے ملک میں یہ طبقہ بہت زیادہ بااثر ہے اور لاکھوں کروڑوں آدمی اس سے وابستہ ہیں اور ان میں کم لوگ ایسے ہیں جو واقعی صاحب خیر، خدا ترس اور حق پسند ہیں۔ بجائے اس کے کہ ہم ان حضرات سے خطاب کریں آپ کو کوشش کرنی چاہیے کہ ان کے معتقدین میں صحیح خیالات کو پھیلائیں۔

تجویز (۷) : عوام میں کام کرنے کے لیے مولانا محمد الیاس صاحب کے طریقے کو اختیار کیا جائے۔

جواب: جو لوگ ان کے طریقہ کار پر مطمئن ہوں وہ ان کے کارکنوں میں شامل ہو کر

کام کر سکتے ہیں۔ بہر حال یہ بھی کار خیر ہوگا مگر میں اس کو صحیح نہیں سمجھتا کہ جماعت اسلامی کے لیے جو طرز میں نے اختیار کیا ہے، اس کے ساتھ دوسرا طریقہ لگایا جائے۔

تجویز (۸) : تمام علماء کو جمع کر کے ان کو اس دعوت کی بابت بتایا جائے۔

جواب: یہ ایک خیالی تجویز ہے میں اس کو لاحاصل سمجھتا ہوں، مجھے یہ معلوم ہے کہ ملک کے علماء اور تعلیم یافتہ طبقے کے بیشتر لوگوں تک یہ دعوت پہنچ چکی ہے۔

تجویز (۹) : جماعت میں جو علماء ہیں وہ اپنے گرد و پیش کی جماعتوں میں دورہ کر کے انھیں زندہ کرنے کی کوشش کریں۔

جواب: یہ تجویز فی الواقع قابل توجہ ہے۔ لیکن بہترین خدمت وہی ہوتی ہے جو انسان اپنے دلی جذبات اور انسانی خدمت کے جذبے کی تحریک سے کرتا ہے۔

امیر جماعت کی اختتامی تقریر

مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے ۲۱ راپریل کے اجلاس سے خطاب کیا، رپورٹیں کس طرح مرتب کی جائیں؟ اس کے بارے مشورے دیے۔ امیر جماعت نے اسی روز آخری اجلاس میں "تحریک اسلامی کی اخلاقی بنیادیں" کے موضوع پر تقریر ارشاد فرمائی اس تقریر میں آپ نے فرمایا:

> امامت صالحہ کا قیام دین کا اصل مقصود ہے اور اس کی سنت یہ ہے کہ اس نے انسانی عروج و زوال کا انحصار اخلاقی بنیادوں پر رکھا ہے اور اخلاق انسانی کے، بنیادی اخلاقیات اور اسلامی اخلاقیات دو شعبے ہیں — بنیادی انسانی اخلاقیات میں صبر و تحمل، ارادے کی پختگی، عزم، حوصلہ، جرأت و ہمت جیسی صفات شامل ہیں اور اسلامی اخلاقیات اسلام، ایمان، تقویٰ اور احسان کی عظیم صفات کا مجموعہ ہے — ان دونوں قسم کی صفات کے جمع ہو جانے سے ہی امامت صالحہ قائم ہوتی ہے۔" (یہ مکمل تقریر "تحریک اسلامی کی اخلاقی بنیادیں" کے عنوان سے کتابی شکل میں شائع ہو چکی ہے)

علاقائی اجتماعات

کل ہند اجتماع کے کچھ دنوں کے بعد علاقائی اجتماعات کا سلسلہ شروع ہوا۔

۱۔ پنجاب :

- ضلع لائل پور پنجاب کا اجتماع ۲۷، ۲۸ر جنوری ۱۹۴۵ء کو لائل پور شہر میں منعقد ہوا۔ مولانا نذیر الحق صاحب نے شرکت کی۔
- ضلع لائل پور کے ارکان و کارکنان کا اجتماع ۱۰ر نومبر کو لائل پور میں
- ضلع امرتسر کا اجتماع ۲۹ر دسمبر کو تکیہ چوک بابا صاحب میں
- جماعت اسلامی ضلع امرتسر کا اجتماع ۱۴، ۱۵ر جولائی کو بالہ میں
- ضلع سرگودھا کے رفقاء جماعت کا اجتماع ۹ر دسمبر کو ہنڈی والی میں منعقد ہوا۔

مرکز سے مولانا نذیر الحق میرٹھی صاحب اور جناب نصر اللہ خاں عزیز صاحب شرکت فرمائی۔ ضلع لائل پور کے کارکنان نے بھی شرکت کی۔ اور ضلع سیالکوٹ کا اجتماع ۱۵، ۱۶ر دسمبر کو جامع ازہر واقع مبارک پور میں منعقد ہوا۔ اس میں مرکز سے مولانا امین احسن اصلاحی نے شرکت کی۔

۲۔ دکن ــــــ جنوبی ہند

۱۶ر تا ۱۸ر جنوری ۴۵ء کو علاقہ دکن کا اجتماع کارکنان بابا پور نظام آباد میں منعقد ہوا۔ مولانا سید صبغۃ اللہ بختیاری اور مولانا محمد اسماعیل صاحب نے شرکت فرمائی۔

علاقہ دکن میں ارکان کا ایک اجتماع ۱۴، ۱۵ر دسمبر کو نظام آباد میں اور جنوبی ہند کے ارکان و ہمدردان جماعت کا اجتماع ۲۸، ۲۹ر دسمبر کو شہر میسور میں منعقد ہوا۔

ضلع لاہور: ضلع لاہور کا اجتماع ۱۸ر فروری کو چک گھلن میں، ملک نصر اللہ خاں عزیز کے زیر اہتمام منعقد ہوا۔

جماعت اسلامی ضلع لاہور کا دوسرا سہ ماہی اجتماع ۴، ۵ر جولائی کو چک گھلن میں منعقد ہوا۔ لاہور سے ملک نصر اللہ خاں صاحب عزیز اور ان کے رفقاء نے شرکت کی۔

ارکان ضلع لاہور کا اجتماع ۱۰، ۱۱ر نومبر کو لاہور میں منعقد ہوا۔

جماعت اسلامی چک گھلن کا اجتماع ۴ر اگست کو چوآ سیدن شہر میں منعقد ہوا۔

صوبہ سرحد:

صوبہ سرحد کا اجتماع قصبہ دیار خاں مری ضلع نواب صاحب میں جماعت اسلامی صوبہ سرحد کا صوبائی اجتماع ۱۵، ۱۶ر جولائی کو بمقام سیرے ڈاکٹر طارق صاحب کی نگرانی میں منعقد ہوا۔ ضلع حصار کا اجتماع کارکنان ۲۴، ۲۵ر جون کو حصار میں منعقد ہوا۔ ضلع فیروز آباد کا اجتماع ۳ر اگست ۴۵ء کو بمقام شیخ حیدر بیرون دہلی دروازہ حکیم مشتاق احمد کے زیر اہتمام اور ضلع ملتان کا اجتماع ۱۷ر اگست کو مسجد نیم والی اندرون پاک دروازہ ملتان میں منعقد ہوا۔

۴۶ء کے اہم جماعتی پروگرام

جنگ عظیم دوم کے بعد برطانیہ کو اپنا نوآبادیاتی سامراجی نظام برقرار رکھنا نہایت مشکل ہوتا جا رہا تھا اور یہ بات بھی ملک کے سوچنے سمجھنے والے افراد پر واضح ہوتی جا رہی تھی کہ عین ممکن ہے کہ غیر ملکی حکمراں آخر اپنے لیے یہی پسند کریں کہ وہ اپنی عزت و آبرو کو محفوظ رکھنے کے لیے اقتدار چھوڑ کر خود ہی یہاں سے رخصت ہو جائیں۔ ایک طرف تو یہ صورت حال تھی اور دوسری طرف یہ نتیجہ سامنے آنے لگا تھا کہ اگر جماعت کے ذمہ دار چھوٹے بڑے اجتماعات اور مختلف علاقوں کے دوروں کی اہمیت کو پیش نظر رکھ کر ایسے پروگرام بنائیں جو نسبتاً کم وقت میں زیادہ نتیجہ خیز ثابت ہو سکتے ہوں، تو یہ ایک اچھی کامیابی ہوگی۔ چناں چہ کارکنان جماعت کی اصلاح و تربیت اور جماعت کی توسیع و استحکام کی طرف خاص توجہ کی گئی اور اپریل ۴۶ء سے مئی ۴۷ء تک اپنے پروگرام کو حسن و خوبی کے ساتھ روبعمل لانے کے لیے اجتماعات کا سلسلہ جاری رکھا

گیا۔ جنگ عظیم دوم کے بعد کچھ ایسا نظر آنے لگا تھا کہ جلد یا بدیر ملک کو آزادی حاصل ہو جائے گی اور غیر ملکی اقتدار کا خاتمہ ہو جائے گا۔ صورت حال میں یک گونہ تبدیلی نظر آنے لگی تھی۔ چناں چہ مناسب خیال کیا گیا کہ سوچے سمجھے نقشہ کار کے مطابق کل ہند اور علاقہ جاتی دوروں کے پروگرام بنائے اور زیر عمل لائے جائیں۔

دوسرا کل ہند اجتماع منعقدہ ہرواره، الہ آباد

پہلا کل ہند اجتماع ۴۵ء بمقام دارالاسلام پٹھان کوٹ ہوا تھا۔ اب دوسرا کل ہند اجتماع ۵ تا ۷ اپریل ۱۹۴۶ء کو ہرواره الہ آباد میں منعقد ہوا۔ امیر جماعت نے مختصر خطاب کی صورت میں اجتماع کا افتتاح کیا اور فرمایا کہ ان کی ناسازی طبع کی بنا پر ان کے قائم مقام کے طور پر مولانا امین احسن صاحب اصلاحی اجتماع کی کارروائیاں چلائیں گے۔ مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے اپنے خطاب میں جماعت کے اجتماعات کے مقاصد پر روشنی ڈالی اس کے بعد قیم جماعت نے ۴۵ تا ۴۶ء جماعت کی کارگزاری کی سالانہ رپورٹ پڑھ کر سنائی۔ شرکاء اجتماع کی جانب سے سوالات اور تجاویز پیش کی گئیں۔

شرکاء اجتماع میں مولانا ابواللیث ندوی، مولانا صدرالدین اصلاحی صاحب، مولانا اختر احسن اصلاحی صاحب، مولانا محمد یوسف صاحب اور جناب یوسف صدیقی صاحب کے اسماء گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

شرکاء کی جانب سے سوالات اور تجاویز پیش کی گئیں۔

رپورٹ کے مطابق ۴۶ء کے آغاز میں جماعت کے ارکان اور امیدواران رکنیت کی صوبہ وار تعداد درج ذیل تھی:

صوبہ	ارکان	امیدوار رکنیت
پنجاب	۲۹۱	۱۱۰
یوپی	۶۰	۵۶
مدراس	۳۱	۱

صوبہ	ارکان	امیدوار رکنیت
دہلی	۱۴	۴
حیدرآباد (دکن)	۳۶	۶
سرحد	۱۰	۷
بمبئی	۹	۹
سندھ	۸	۱۳
بہار	۷	۲
وسطی ہند	۱۲	۱۳
میسور	۶	۰
بنگال	۲	۰
بلوچستان	۰	۲

اس کے علاوہ کچھ متفرقات بھی بیان کیے گئے تھے جن کا خلاصہ یوں ہے:

دعوت بیرون ملک

رپورٹ میں بتایا گیا جماعت کی دعوت الحمدللہ امریکہ، افریقہ، عرب، ایران، اور انگلستان تک بھی پہنچ گئی ہے۔ بحرین، ملایا اور انڈونیشیا میں بعض حضرات کے پاس جماعت کا لٹریچر جانے لگا ہے۔

حلقۂ خواتین

رپورٹ میں بتایا گیا کہ کچھ خواتین نے بھی جماعت کا لٹریچر پڑھا ہے اور وہ دوسری بہنوں کو بھی پڑھوا رہی ہیں۔

یہ بھی بتایا گیا کہ گزشتہ سالانہ اجتماع منعقدہ اپریل ۴۵ء سے پہلے سید محمد حسنین صاحب جائسی کو صوبہ بہار کا قیم مقرر کیا جا چکا تھا۔ اس سال کے دوران میں صوبۂ سرحد کے لیے خان سردار علی خاں صاحب کو اور جنوبی ہند کے لیے سید صبغۃ اللہ بختیاری صاحب کو قیم مقرر کیا گیا۔

اہم تجاویز سے متعلق فیصلے

بتایا گیا کہ آیندہ ماہ مئی ۴۶ء سے تربیتی پروگرام کا آغاز ہو جائے گا۔ مرکز میں مقیم ارکان جماعت کو تربیت کے کورس سے گزرنا ہے۔ اِلّا یہ کہ کسی کو کسی "معقول" وجہ کی بناء پر اس سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہو۔ فی الحال صرف ۱۵۔۱۵ آدمیوں کی جماعتوں کو بیک وقت زیر تربیت رکھا جائے گا۔ تربیت گاہ کے قیام اور سفر کے مصارف کا انتظام پروگرام سے استفادہ کرنے والے افراد خود کریں گے۔ یا متعلقہ مقامی جماعتیں کریں گی۔

مخصوص صلاحیتوں کی ضرورت کے پیش نظر ذمے داریوں اور تنظیمی حلقوں کا تعین

نمبر شمار	حلقہ	نام اور پتا ناظم حلقہ
۱	عربی ترجمہ و عربی لٹریچر	مولانا مسعود عالم ندوی صاحب
۲	قرآنی مضامین دعوتی مقاصد کے پیش نظر	مولانا عبدالغفار حسن رحمانی عمرپوری مالیر کوٹلہ
۳	تنقیدی ادب	جناب ابوالسلام نعیم صدیقی صاحب دارالاسلام پٹھان کوٹ
۴	عوامی لٹریچر کے لیے	مولانا نذیر الحق میرٹھی
۵	حلقۂ اہل صحافت	جناب ملک نصر اللہ خاں عزیز صاحب ایڈیٹر اخبار کوثر
۶	حلقۂ سیاسیات	جناب عبدالبشیر آذری صاحب پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور
۷	حلقۂ معاشیات	جناب سید تقی علی صاحب کورنلہ دکن
۸	حلقۂ تاریخ	خواجہ محمد صدیق صاحب اینگلو عربک ہائر سکنڈری اسکول دریا گنج دہلی
۹	حلقۂ فلسفہ	جناب ممتاز حسین صاحب اینگلو عربک ہائر سکنڈری اسکول دریا گنج دہلی
۱۰	حلقۂ قانون	عبدالعظیم خاں صاحب منصف سرونج
۱۱	انگلش لٹریچر (انگریزی ادب کا حلقہ)	پروفیسر رہمن کالج روہتک
۱۲	انگریزی ترجمہ	جناب اے۔ آر۔ صوفی صاحب ملوشیلہ
۱۳	ہندی ترجمہ	جناب حافظ ابو محمد امام الدین صاحب رام نگر بنارس
۱۴	سندھی ترجمہ	جناب عبدالرزاق صاحب سندھ مدرسۃ العلوم کراچی
۱۵	گجراتی ترجمہ	جناب اسماعیل عثمان صاحب کاپے کپ اسٹریٹ مالے سندری۔
۱۶	بنگلہ ترجمہ	جناب سید محمد حسنین صاحب پٹنہ
۱۷	ملیالم ترجمہ	جناب حاجی وی پی محمد علی صاحب، مالابار
۱۸	تامل ترجمہ	جناب شیخ عبداللہ صاحب نارتھ آرکاٹ
۱۹	پشتو ترجمہ	جناب قاری عبدالرزاق صاحب مرزا، چھینا ضلع پشاور
۲۰	فارسی ترجمہ	جناب محمد فاروقی صاحب حیدرآباد دکن
۲۱	درسی کتب اسٹینڈرڈ	جناب محمد عبدالسلام صاحب غازی دارالاسلام پٹھان کوٹ
۲۲	بچوں کے لیے آسان تحریریں	محمد شفیع مونس اینگلو عربک ہائر سکنڈری اسکول دہلی بامانت خواجہ محمد صدیق صاحب انچارج حلقۂ تاریخ
۲۳	تفریحی ادب	جناب ممتاز حسین صاحب انچارج حلقۂ فلسفہ
۲۴	حلقۂ شعراء	جناب ابوالسلام نعیم صدیقی صاحب دارالاسلام پٹھان کوٹ
۲۵	حلقۂ تجارت و صنعت	جناب سلطان احمد صاحب لکھنؤ

اس کے بعد درج ذیل باتیں نوٹ کی گئیں:

(الف) فی الحال کچھ عرصے کے لیے اجتماع عام کی موجودہ شکل ہی کو برقرار رکھا جائے گا۔

(ب) ہر صوبے میں الگ الگ صوبہ وار اجتماع کیا جائے گا۔ کوشش کی جائے گی کہ ہر ایک اجتماع میں امیر جماعت یا مرکز کے دوسرے ذمہ دار حضرات شریک ہوسکیں۔

سوال و جواب

شرکاء اجتماع میں سے کچھ لوگوں نے مختلف قسم کے سوالات کیے، جن کے جوابات مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے دیے۔

کرڈیہی بہار کے ایک ہمدرد جماعت جناب منظور احسن صاحب جامعی نے سوالیہ انداز میں کہا کہ ''حکومت الہیہ'' جماعت کے نصب العین کے لیے قرآن مجید کی اصطلاح نہیں ہے۔ قرآنی اصطلاح اختیار کرنی چاہیے۔

مولانا اصلاحی صاحب کا جواب تھا کہ مناسب ہے۔ اقامت دین کی اصطلاح اختیار کرلی جائے۔

شعبۂ تنظیم وغیرہ کا بہت سا ریکارڈ فسادات کی وجہ سے جماعت کے مرکز دارالاسلام پٹھان کوٹ سے لاہور منتقلی کے وقت وہیں رہ گیا تھا۔ اسی میں اجتماع ہروارہ کے سوالات و جوابات کا مسودہ بھی تھا۔ اس لیے کارروائی تحریری شکل میں نہیں آسکی۔ اور اسی میں امیر جماعت کی اس تقریر کے وہ نوٹس بھی تھے جن کے پیش نظر اجتماع میں آپ نے خطاب فرمایا تھا۔ اس تقریر میں خاص طور پر یورپ کی نشاۃ ثانیہ کے زمانے کے حالات پر اظہار خیال کرتے ہوئے باشندگان ملک کے سامنے اسلامی دعوت پیش کی گئی تھی۔

مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کی بھی ایک اہم تقریر ہوئی، جس میں ارکان و کارکنان جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے بتایا گیا تھا کہ جماعت اسلامی کے اجتماعات اور دوسری جماعتوں کے اجتماعات کی ظاہری اور معنوی صورت کس کس پہلو سے مختلف ہے۔ اس طرف بھی توجہ دلائی کہ دوسری جماعتوں کے افراد اور ارکان جماعت کی خصوصیات کے درمیان جو فرق و امتیاز ہے اس کا پاس و لحاظ بہر صورت ضروری ہے۔ آپ نے اظہار خیال کرتے ہوئے ارشاد نبوی ''بَدَءَ الاسلامُ غریباً وَ سَیَعُوْدُ کَمَا بَدَءَ فَطُوْبیٰ لِلْغُرَبَاءِ'' کے حوالے سے کارکنوں

کو متوجہ کیا کہ فی الواقع ہماری سوسائٹی کی فضا وہ رنگ اختیار کرے کہ بجا طور پر افراد جماعت کو ''غربت'' کا احساس ہونے لگے۔

آپ نے فرمایا کہ درحقیقت افراد جماعت کی یہ وہ صفت ہوتی ہے جو تحریک کے ساتھ ان کی وابستگی کی ایک کسوٹی سمجھی جاتی ہے۔ لوگوں کے ساتھ دلچسپی و وابستگی کا معیار یہ ہونا چاہیے کہ ان کے درمیان اصول و مقاصد کے سلسلے میں کس درجہ اتحاد پایا جاتا ہے۔ ایک اہل ایمان کی پہچان یہ بھی ہوتی ہے کہ اس کی حق سے حقیقی وابستگی ہو۔

منطقہ وار اجتماعات

ہروارہ الٰہ آباد کے اجتماع سے پہلے یہ بات طے شدہ تھی کہ جماعت کا کل ہند اجتماع ہر سال منعقد کیا جاتا رہے گا۔ لیکن ۱۹۴۷ء تک پہنچتے پہنچتے ملک کی فرقہ وارانہ صورت حال میں نمایاں تغیر ہوچکا تھا اور یہ بات انتہائی مشکل ہوگئی تھی کہ آئندہ بھی کل ہند سطح پر اجتماع منعقد ہوسکے گا۔ اس بنا پر تمام پہلوؤں کو پیش نظر رکھ کر ملک کو حسب ذیل چار منطقوں میں تقسیم کیا گیا:

۱۔ شمالی ہندستان: پنجاب، سندھ، بلوچستان، کشمیر اور دہلی۔ مقام اجتماع مرکز دارالاسلام پٹھان کوٹ

۲۔ مشرقی ہندستان: یوپی، بہار، اڑیسہ، بنگال اور آسام۔ مقام اجتماع پٹنہ

۳۔ مغربی و وسطی ہندستان: مالوہ، بمبئی، سی پی اور برار۔ مقام اجتماع ٹونک

۴۔ جنوبی ہند: مدراس، میسور اور حیدرآباد۔ مقام اجتماع مدراس

یہ منطقہ جاتی اجتماعات بالترتیب ٹونک (راجستھان)، مدراس، پٹنہ اور دارالاسلام پٹھان کوٹ میں منعقد ہوئے۔ متعلقات کا ضروری خلاصہ اور بعض ضروری خصوصیات ترتیب وار درج ذیل ہیں۔

اجتماع ٹونک

وسطی ہند کے منطقہ کا اجتماع بمقام ٹونک ۱۷ / ۱۸ اپریل ۱۹۴۷ء کو منعقد ہوا۔ امیر جماعت نے اپنی افتتاحی تقریر میں حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

''حضرات! ہمارے اجتماعات کا جو کچھ مقصد ہے اس کو بیان کرنے کے لیے کسی طویل

تقریر کی ضرورت نہیں۔ اجتماع کے لیے کہہ دینا کافی ہے کہ ہمارا مقصد وہی ہے جس کے لیے حضرت سید احمد شہیدؒ کھڑے ہوئے تھے۔ اور یہ وہی مقام ہے جہاں حضرت شہیدؒ نے اپنے کام کی تیاری کی تھی۔ وہ پاک نفوس تاریخ کے اوراق میں اپنی سیرت اور قلم کے وہ نقوش چھوڑ گئے کہ دنیا میں ایک مرتبہ پھر صحابہ کی یاد تازہ ہوگئی۔ ہماری کوشش و خواہش یہی ہے کہ اسی کام کو جو انھوں نے کیا اور جس کے لیے انھوں نے سب کچھ لٹا دیا اور جس کا کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے، ہم اپنی مقدرت کے مطابق کرنے کی کوشش کریں۔"

امیر جماعت نے خواتین کے اجتماع کو بھی مخاطب کیا خطاب کا خلاصہ یوں ہے:

"ہمارے اس کام میں عورتوں کی شرکت اور تعاون کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی ضرورت مردوں کی شرکت اور تعاون کی ہے ـــ ہر اجتماعی تحریک عورتوں کی شرکت اور تعاون کو اہمیت دینے پر مجبور ہے۔ لیکن خصوصیت کے ساتھ اسلامی تحریک میں اسی کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔

تحریک اسلامی کی جو تاریخ ہمارے سامنے ہے وہ ہمیں بتاتی ہے کہ عورتوں نے مردوں کے ساتھ برابر کا حصہ لیا ہے۔ نبیؐ پر ایمان لانے کی سعادت سب سے پہلے جسے حاصل ہوئی وہ ایک خاتون ہی تھی یعنی ہماری، آپ کی اور سب مسلمانوں کی ماں، حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ نبوت کے پہلے تین سالوں میں جو ۱۵۵ اشخاص ایمان لائے تھے، ان میں ۹ ؍عورتیں بھی شامل تھیں۔

مکے میں سب سے بڑھ کر ظلم سہنے والے اگر بلالؓ اور عمارؓ تھے تو ام عمارہؓ اور زبیرہ جیسی عورتیں بھی تھیں۔ اس وقت عورتوں کے کرنے کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے گھروں کو اور اپنے خاندان، اپنے ہمسایوں اور ملنے جلنے والوں کے گھروں کو فسق سے پاک کرنے کی کوشش کریں، گھروں کی معاشرت کو اسلامی بنائیں۔"

اس کے بعد مولانا نے ان خواتین کے نام بنام، کارنامہائے نمایاں بیان کیے، جنھوں نے اسلام کی دعوت کے لیے اپنے اخلاق و کردار اور اسلامی جدوجہد کے بہترین نمونے پیش کیے۔ خواتین نے کچھ سوالات بھی کیے تھے اور امیر جماعت نے ان کے جوابات بھی دیے۔

اجتماع مدراس

جنوبی ہند منطقہ کا اجتماع مدراس میں ۲۵/۲۶/۲۷ اپریل ۱۹۴۷ء کو منعقد ہوا۔ حمد و

صلوٰۃ کے بعد امیر جماعت نے اپنی افتتاحی تقریر میں افراد جماعت کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"اس وقت ہندوستان جس تیزی سے بدامنی اور تباہی کی طرف جا رہا ہے اسے دیکھ کر کوئی شخص یہ صحیح اندازہ نہیں کر سکتا کہ آئندہ کیا حالات پیش آنے والے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ رفقاء جماعت اپنے فرائض اور ذمے داریوں سے پوری طرح واقف ہو لیں۔"

اس کے بعد جناب مظہر الدین صدیقی صاحب نے جماعت کی دعوت پر انگریزی میں اپنی دعوتی تقریر پڑھ کر سنائی۔ پھر قیم جماعت جناب میاں طفیل محمد صاحب نے ملک کے حالات کو پیش نظر رکھ کر کسی قدر تفصیل سے اظہار خیال فرمایا اور بتایا کہ ان حالات میں رفقائے جماعت کو اپنی ذمے داریاں ٹھیک ٹھیک ادا کرنے کے لیے کیا کرنا چاہیے۔

مدراس کے بعض ناخوشگوار واقعات

کوئی پچاس آدمی پر مشتمل ایک گروہ مسلم لیگ کا جھنڈا لیے نعرہ لگاتے ہوئے اجتماع گاہ کے سامنے آیا۔ کچھ آدمی اجتماع گاہ میں بھی داخل ہوگئے اور کچھ نے اجتماع گاہ کے صدر دروازے پر چڑھ کر جھنڈا لگا دیا۔ پھر جب دوسری نشست شروع ہوئی تو زندہ باد، مردہ باد کے نعرے لگانے لگے اور اسٹیج کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ مسلم لیگ کے کارکن ڈاکٹر نعمت اللہ صاحب نے اسٹیج پر پہنچ کر ان لوگوں کو نصیحت کی تو ان کو بھی سخت سست کہنا شروع کر دیا۔

اگلے روز ۲۶ ؍اپریل کو ایک صاحب امیر جماعت کے پاس تشریف لائے اور کہنے لگے کہ انھیں اور دوسرے سمجھ دار مسلمانوں کو کل کے واقعات سے بہت تکلیف ہوئی اور ہم سخت نادم ہیں۔ اس کے بعد کچھ اور لوگوں نے بھی افسوس اور ندامت کا اظہار کیا۔

امیر جماعت کا اختتامی خطاب

ہماری اس تحریک کا مقصد جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں صاف اور واضح الفاظ میں یہ ہے کہ ہم اس صحیح طریقۂ زندگی کو جس کا نام اسلام ہے انفرادی و اجتماعی طور پر عملاً قائم کریں۔ اپنے قول و عمل سے اس کا ٹھیک ٹھیک مظاہرہ کریں۔ دنیا کو اس بات پر مطمئن کرنے کی کوشش کریں کہ اسی طریق زندگی میں اس کے لیے کامیابی ہے۔

"مولانا نے فرمایا: ہماری اس جماعت کا فکری دائرہ عمل یہی سرزمین ہند ہے جسے خدا نے ہماری سکونت کے لیے منتخب فرمایا ہے۔ پوری جماعت کا دائرہ عمل پورا ملک، ہر علاقے کے ارکان کا دائرہ عمل ان کا اپنا علاقہ، اور ہر شہر، قصبے یا گاؤں کے ارکان کا دائرہ عمل ان کا اپنا مقام ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ پورے استقلال کے ساتھ اپنی جگہ جم کر دعوت و اصلاح اور سعی انقلاب میں منہمک رہے اور اپنے مقام سے ہرگز نہ ہٹے۔

ہندستان میں اس وقت جو حالات رونما ہیں، وہ بظاہر ہماری دعوت کے لحاظ سے سازگار نہیں ہیں — مختلف قومیں خود غرضی میں مبتلا ہیں اور قوم پرستی کا جنون اس حد تک بڑھ گیا ہے کہ ان سے جو حرکات سرزد ہو رہی ہیں انھیں اگر جانوروں سے بھی منسوب کیا جائے تو وہ بھی اپنی توہین سمجھیں۔ ان حالات میں کسی ایسی جماعت کے لیے کام کرنا بہت مشکل ہے جو قومیت کے بجائے انسانیت کو منتخب کرتی ہو، جو خالص انسانیت کی طرف بلاتی ہو۔ یہ حالات خواہ کتنے ہی حوصلہ شکن اور صبر آزما ہوں لیکن حقیقت یہ ہے مستقل نہیں ہیں بلکہ عنقریب بدل جانے والے ہیں۔ اس وقت آپ کے لیے صحیح طرز عمل یہ ہے کہ آپ اپنا کام کیے جائیں — اپنی دعوت مسلم و غیر مسلم سوسائٹی کے ان سب لوگوں تک پہنچائیں، جو حق بات معقول طریقے سے سمجھنے پر آمادہ ہوں —

مولانا نے آگے فرمایا:

عنقریب ملک تقسیم ہو جائے گا — آج کل کے حالات و تصورات کے لیے اس وقت کوئی جگہ نہ ہوگی۔ آج کے نعرے اس وقت کھوٹے سکے ہوں گے — جن بنیادوں پر آج کی قومیں اور تحریکیں قائم ہیں وہ خود بخود ڈھے جائیں گی اس دور میں "دونوں ملکوں کے حالات" بالکل ایک دوسرے سے مختلف ہوں گے — مجھے ہندستان کے مستقبل پر گفتگو کرنی ہے کہ یہاں مسلمانوں اور ہندوؤں کو کن حالات سے سابقہ پیش آنے والا ہے اور ان حالات کا کس طرح سامنا کرنا ہے — یہ وقت جس کے آنے کی میں خبر دے رہا ہوں اب بالکل قریب آ گیا ہے جوں ہی کہ ہندستان کی سیاست کا موجودہ دور ختم ہو کر نیا دور شروع ہوا اقلیت کے علاقوں میں مسلمانوں کو وقتی تغیر کا احساس شروع ہو جائے گا — اور ہندستان کو موجودہ فرقہ

وارانہ منافرت اور نزاع کی جگہ طبقہ وارانہ منافرت اور نزاع کا تختہ لے گا۔ ایک طبقہ دوسرے طبقے کے ساتھ اسی طرح غصے سے بھڑک اٹھے گا، جس طرح آج ایک فرقہ دوسرے فرقہ سے بھڑکتا ہے — دل جس طرح آج قومی جنگ کے زمانے میں رحم سے خالی ہیں اسی طرح اس وقت طبقاتی جنگ کے زمانے میں بھی خالی ہوں گے — اس انجام سے اگر کوئی چیز ہندستان کو بچا سکتی ہے تو وہ یہ ہے کہ کوئی گروہ ایک ایسے نظام فکر و عمل کو لے کر اٹھے جس میں اخلاقی درجے کی سچائی اور بے لاگ اجتماعی اوصاف بھی ہوں، اصل جمہوریت محض سیاسی ہی نہ ہو بلکہ تمدنی و معاشرتی جمہوریت (Social Democracy) بھی ہو۔ اور تمام باشندگان ملک کے لیے بلا امتیاز طبقہ و نسل اجتماعی حیثیت سے ترقی کے یکساں مواقع بھی ہوں۔ جو ایک یا چند طبقوں کے مفاد کو نہیں بلکہ سب انسانوں کے مفاد کو یکساں ہمدردی اور انصاف کی نظر سے دیکھے — طبقوں اور گروہوں کو ایک دوسرے کے خلاف اکسانے اور لڑانے کے بجائے ایک مبنی بر انصاف نظام پر متحد کرے — ایسے نظام کو اگر ملک کے لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے اور اس کو پیش کرنے والے وہ لوگ ہوں جن کی سیرت و اخلاق پر اعتماد کیا جا سکے اور جن میں دیانت اور انتظام دنیا کی صلاحیت دونوں جمع ہوں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہندستان کے باشندے اس نظام کے مقابلے میں اشتراکی انقلاب کے راستے کو ترجیح دیں —

چار نکاتی لائحہ عمل

۱۔ ہمارے لیے سب سے مقدم کام یہ ہے کہ اس قومی کش مکش کا خاتمہ کیا جائے جو ہندو اور مسلمانوں کے درمیان اب تک برپا رہی ہے۔ یہ بات پہلے بھی غلط تھی کہ مسلمان اسلام کے لیے کام کرنے کے بجائے اپنے قومی اغراض اور مطالبوں کے لیے روتے رہیں۔ مگر اب تو اسے جاری رکھنا مہلک غلطی ہی نہیں بلکہ احمقانہ خودکشی ہے۔

۲۔ دوسرا اہم کام ہمارے لیے یہ ہے کہ مسلمانوں میں وسیع پیمانے پر اسلام کا علم پھیلائیں، ان میں اسلام کی دعوت و تبلیغ کا عام جذبہ پیدا کریں۔ اور ان کی اخلاقی و تمدنی اور معاشرتی زندگی کی اس حد تک اصلاح کر لیں کہ ان کے ہمسایہ غیر

مسلموں کو یہ سوسائٹی صریحاً بہتر محسوس ہونے لگے اور ان میں سے جو لوگ بھی اس سوسائٹی میں شامل ہونے کے لیے آمادہ ہوں خواہ وہ کسی طبقے کے ہوں ان کو بالکل مساویانہ حیثیت سے اپنے اندر لیا جا سکے۔ مسلمانوں کی، اگر سب کی نہیں تو ان کے ایک معتد بہ حصے کی اخلاقی، تمدنی اور معاشرتی زندگی کی اصلاح کے بغیر دعوت اسلامی کا قدم آگے نہیں بڑھ سکتا۔

۳۔ تیسرا ضروری کام یہ ہے کہ ہم اس ملک کی ذہنی طاقت کا زیادہ سے زیادہ حصہ اپنی دعوت کے لیے فراہم کریں اور اس سے باقاعدگی کے ساتھ کام لیں۔ ہندستانی مسلمانوں کا تعلیم یافتہ طبقہ اپنے ان مقاصد میں ناکام ہو چکا ہے جن پر اس نے اب تک نظر جمار کھی تھی۔ اس ناکامی کا شعور حاصل ہوتے ہی اس پر یاس طاری ہوتی شروع ہو جائے گی۔ اس موقع پر اگر ان کے سامنے ایک روشن مستقبل، امیدوں اور بشارتوں کے ساتھ آئے تو وہ ان کے ایک بڑے حصے کی توجہ اپنی طرف کھینچ لے گا۔

ہماری خواہش ہے کہ بہتر قسم کے اہل قلم اب انگریزی، اردو اور دوسری زبانوں میں اخبارات جاری کریں اور ان میں حقوق کی چیخ پکار، ملازمتوں کے فیصدی تناسب پر شور و غل کے بجائے رائج الوقت نظام پر اصولی تنقید کریں اور اس سے بہتر ایک نظام زندگی پیش کر کے رائے عامہ کو اس کے حق میں ہموار کریں۔

۴۔ چوتھا ضروری کام یہ ہے کہ ہمارے سب کارکن اور وہ تمام لوگ جو آیندہ ہماری تحریک سے متاثر ہوں، ہندستان کی ان مقامی زبانوں کو سیکھیں اور ان میں تحریری مہارت حاصل کریں، جو آیندہ تعلیم اور لٹریچر کی زبانیں بننے والی ہیں۔ نیز اس امر کی انتہائی کوشش کریں کہ ان زبانوں میں جلدی سے جلدی اسلام کا ضروری لٹریچر منتقل کر دیا جائے۔

نوٹ: یہ چار نکاتی لائحہ عمل کتابی شکل میں شائع ہو چکا ہے۔

اجتماع پٹنہ

یہ اجتماع ۲۵/۲۶ اپریل ۱۹۴۷ء کو بمقام پٹنہ منعقد ہوا۔ اس اجتماع میں مولانا امین احسن اصلاحی صاحب اور ملک نصر اللہ خاں عزیز صاحب شریک تھے۔

مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے اپنے عام خطاب میں جماعت کی دعوت کے اہم نکات ''ہم کیا چاہتے ہیں اور کیوں چاہتے ہیں، کس طرح چاہتے ہیں؟'' پیش فرمائے اور حسب ضرورت ملک کے حالات پر بھی تبصرہ کیا جو ہندوؤں، مسلمانوں کی قومی کش مکش اور سیاسی پارٹیوں کی عاقبت نااندیشانہ حرکات کی وجہ سے روز افزوں خراب ہوتے جا رہے تھے۔

ان دنوں گاندھی جی کا قیام بھی پٹنہ ہی میں تھا۔ انھیں بھی اجتماع میں شرکت کا دعوت نامہ بھیجا گیا۔ تقریر ختم کر کے مولانا امین احسن اصلاحی صاحب اسٹیج سے اتر کر نیچے فرش پر آ گئے۔ غازی عبدالجبار صاحب نے مولانا کا گاندھی جی سے تعارف کرایا۔ گاندھی جی نے مولانا سے کہا ''میں نے آپ کی تقریر کو بڑے غور سے سنا اور مجھے سن کر بہت مسرت ہوئی''۔ اس پر غازی صاحب نے ان سے کہا کہ ''گاندھی جی! ایک تقریر سے پوری بات کو پانا بہت مشکل ہے۔ بہتر یہ ہوگا کہ آپ ہمارے کچھ لٹریچر کا مطالعہ بھی کریں۔'' گاندھی جی نے جواب دیا کہ ''اب تو میں دہلی جا رہا ہوں وہاں کچھ اہم معاملات درپیش ہیں۔ وہاں سے واپسی میں کچھ وقت نکالنے کی کوشش کروں گا۔ اس کے بعد وہ واپس چلے گئے۔

اجتماع میں گاندھی جی کی شرکت مسلم لیگ اور کانگریس ان سیاسی پارٹیوں سے وابستہ لوگوں کو ناگوار گزری اور ان کے اخبارات نے اپنے اپنے طور پر غلط رپورٹیں شائع کیں۔

قیم جماعت جناب میاں طفیل محمد صاحب نے اظہار حقائق کے طور پر پریس کو ایک

بیان دیا۔ اس میں کہا گیا تھا کہ اپنے اجتماع میں ہم مختلف طرز خیال اور مختلف جماعتوں کے لوگوں کو شرکت کی دعوت دیتے ہیں۔ یہی کچھ ہم نے اجتماع پٹنہ کے خطاب کے سلسلے میں بھی کیا تھا۔۔۔ گاندھی جی کو بھی دعوت نامہ دیا گیا تھا۔ اب یہ اور بات ہے کہ گاندھی جی نے ہمارے اجتماع میں آکر ہمیں سننے کی تکلیف گوارا کی اور دوسری جماعتوں کے ذمے داروں نے ایسا نہیں کیا۔

اجتماع پٹھان کوٹ

یہ منطقہ وار اجتماع ۹، ۱۰ رمئی ۱۹۴۷ء کو دارالاسلام پٹھان کوٹ میں منعقد ہوا۔ امیر جماعت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے خطاب عام میں مسلمان، ہندو اور سکھ مختلف ملتوں کے لوگ شریک تھے۔ سامعین کی تعداد بائیس سو سے زیادہ تھی حمد و صلوٰۃ کے بعد مولانا نے خطاب میں فرمایا:

"یہ دنیا جس خدا نے بنائی ہے اس کے قانون سے جس طرح سورج، چاند، زمین اور تارے بندھے ہوئے ہیں اور جس طرح ہوا، پانی اور جانور بندھے ہوئے ہیں اسی طرح آپ سب انسان بھی بندھے ہوئے ہیں۔ اس کا قانون جس طرح ہماری پیدائش اور موت پر، ہمارے بچپن، جوانی اور بڑھاپے پر ہمارے سانس کی آمد ورفت پر بے لاگ چل رہا ہے، اٹل اور بے لاگ طریقے سے نہیں۔ ٹھیک اسی طرح اس کا ایک اور قانون بھی ہے جو ہماری تاریخ کے اتار چڑھاؤ پر، ہمارے اٹھنے اور گرنے پر، ہماری ترقی و تنزل پر اور ہماری ذاتی، قومی اور ملکی تقدیر پر بھی حکومت کر رہا ہے اور یہ قانون بھی بالکل بے لاگ ہے خدا کے اس قانون کی پہلی اور سب سے اہم دفعہ یہ ہے کہ وہ "بناؤ کو پسند کرتا ہے اور بگاڑ کو پسند نہیں کرتا ہے۔"

مولانا کی یہ تقریر "بناؤ بگاڑ" کے عنوان سے شائع ہو چکی ہے۔ مولانا نے اپنی تقریر میں واقعاتی مثالوں کے طور پر ملک میں مسلمانوں کی حکومتوں سے پہلے اور خود ان کے زمانے کے حالات کو پیش کیا اور اس کے بعد انگریزی دور کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ خدا یہ دیکھتا ہے کہ انتظام

کے امیدواروں میں کون بناؤ کی زیادہ سے زیادہ اور بگاڑ کی طرف کم سے کم میلان رکھتا ہے۔

مولانا نے فرمایا:

"ذرا جائزہ لے کر دیکھیں کہ ہندوستان کے لوگ، ہندو، مسلمان، سکھ اپنے خدا کے سامنے کیا صلاحیتیں اور قابلیتیں اور اپنے کیا اوصاف اور کارنامے پیش کر رہے ہیں۔ اس موقعے پر اگر میں بے لاگ طریقے سے کھلم کھلا وہ فرد جرم سنا دوں جو اخلاق کی عدالت میں ہندوؤں، مسلمانوں اور سکھوں سب پر لگتی ہے تو امید کرتا ہوں کہ آپ برا نہ مانیں گے۔ اپنی قوم اور اپنے بھائیوں کے عیوب بیان کر کے خوشی تو مجھے بھی نہیں ہوتی۔ حقیقت میں میرا دل روتا ہے۔ کیونکہ میں گویا اپنی آنکھوں سے اس انجام کو دیکھ رہا ہوں جو ان عیوب کی بنا پر کل انھیں دیکھنا ہی نہیں بھگتنا بھی پڑے گا۔ اس معاملے میں ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی اور ہریجن کے درمیان کوئی امتیاز نہیں، سب کے سب یکساں بیمار ہیں اور کسی گروہ کا حال دوسرے سے بہتر نہیں ہے۔

اصلاح کی صورت حال

اصلاح کی صورت حال کے پیش نظر مولانا نے اپنی تقریر میں فرمایا: "اس تاریکی میں ہمارے لیے ایک ہی امید کی شعاع ہے اور وہ یہ کہ ہماری پوری آبادی بگڑ کر نہیں رہ گئی ہے بلکہ اس میں کم از کم چار پانچ فیصد لوگ ایسے بھی ہیں جو اس بداخلاقی سے بچے ہوئے ہیں۔ ان کی صلاحیتوں کو استعمال کیا جا سکتا ہے۔ آپ اس سے نہ گھبرائیں کہ یہ صالح عنصر اس وقت بہت ہی کم تعداد میں ہے کیونکہ یہ تھوڑے لوگ ہی منظم ہو جائیں اور انصاف، حق پسندی اور خلوص و دیانت پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہوں، مسائل کا بہتر حل اور انتظام مملکت کا ایک اچھا پروگرام بھی رکھتے ہوں تو اس منظم نیکی کے مقابلے میں بدی اپنا مقام کھو دے گی۔" انسانی زندگی میں بگاڑ جن چیزوں سے پیدا ہوتا ہے انھیں ہم چار بڑے عنوانات کے تحت جمع کر سکتے ہیں۔

۱۔ خدا سے بے خوفی : جو دنیا میں بے انصافی، بے رحمی، خیانت اور ساری اخلاقی برائیوں کی جڑ ہے۔

۲۔ خدا کی ہدایت سے بے نیازی : جس نے انسان کے لیے کسی معاملے میں بھی ایسے مختلف اصول باقی نہیں رہنے دیے ہیں، جن کی پابندی کی جائے، اسی چیز کی بدولت

اشخاص، گروہوں اور قوموں کا سارا طرزِ عمل مفاد پرستی، لذت پرستی اور خواہشوں پر مرکوز ہو گیا ہے۔

۲۔ خود غرضی : جو صرف افراد ہی کو ایک دوسرے کی حق تلفی پر آمادہ نہیں کرتی بلکہ بڑے پیمانے پر نسل پرستی، قوم پرستی اور بھی پیدا کرتی ہے اور دوسری نسلوں اور قوموں کو نقصان پہنچانے کی راہیں اختیار کرتی ہے۔

۳۔ جمود یا بے راہ روی : جس کی وجہ سے انسان یا تو خدا کی دی ہوئی قوتوں کو استعمال ہی نہیں کرتا یا غلط استعمال کرتا ہے۔

اس کے بعد مولانا نے اصلاح کی صورتوں کے متعلق فرمایا: ان کے مقابلے میں وہ چیزیں جو بگاڑ کے ازالے کی اور بناؤ کی صلاحیت پیدا کرتی ہیں وہ اس طرح ہیں:

۱۔ خدا کا خوف: آدمی کو برائیوں سے روکنے اور سیدھا چلانے کے لیے یہ ایک ہی قابلِ اعتماد ضمانت ہے۔ راست بازی اور تمام دوسری خوبیاں جن پر ایک ترقی پذیر سماج کی تعمیر ہوتی ہے اسی ایک تخم سے پیدا ہوتی ہیں۔

۲۔ خدا کی ہدایت کی پیروی: جو انسان کے شخصی، اجتماعی، قومی اور بین الاقوامی رویے کو اخلاق کا پابند کرنے کی ایک ہی صورت ہے۔

۳۔ نظامِ انسانیت: وہ نظام جو شخصی، قومی، نسلی اور طبقاتی خود غرضیوں کے بجائے تمام انسانوں کے مساوی مرتبے اور مساوی حقوق پر مبنی ہو، جس میں بے جا امتیازات نہ ہوں۔ جاہلی عصبیتیں اور مصنوعی تعصبات نہ ہوں بلکہ سب کو یکساں پھلنے پھولنے کا موقع ملے، جس میں انسان کی پستی و بلندی صرف اس کے اوصاف پر ہو، جس میں روئے زمین کے سارے انسان برابری کے ساتھ شریک ہوں۔

۴۔ عملِ صالح: یعنی خدا کی دی ہوئی قوتوں اور اس کے بخشے ہوئے ذرائع کو پوری طرح استعمال کرنا اور صحیح استعمال کرنا............"

(مولانا کی یہ تقریر "بناؤ بگاڑ" کے نام سے کتابی شکل میں شائع ہو چکی ہے۔)

قیم جماعت کی رپورٹ

مولانا کی تقریر کے بعد قیم جماعت نے جماعت کی سالانہ کارگزاری پر مشتمل اپنی

رپورٹ پیش کی، جس میں فسادات کا خاص طور پر ذکر کیا گیا اور ان کے سلسلے میں جماعت کے رول پر روشنی ڈالی جس کا خلاصہ اس طرح ہے:

فسادات اور جماعت اسلامی

فسادات کا سلسلہ یوں تو ۱۳ر اپریل ۱۹۴۶ء کو گڑھ مکتیشور یوپی کے میلے ہی سے شروع ہو گیا تھا۔ لیکن اگست ۱۹۴۶ء سے تو یہ پورے ملک میں پھیلنا شروع ہو گیا۔ ستمبر ۱۹۴۶ء میں تباہی کے آثار صاف نظر آنے لگے۔ اس صورتِ حال میں جماعت کی مجلس شوریٰ نے جماعت کا موقف اور طرزِ عمل واضح طور پر متعین کیا اور ارکان جماعت کے نام درج ذیل ہدایات جاری کیں۔

۱۔ عام فسادات کی حالت میں ارکان جماعت کے لیے اپنے تحفظ کا سب سے بڑا ذریعہ ان کا اپنا اخلاقی رویہ اور ان کا قومی و نسلی تعصبات سے بالاتر رہ کر خیر و صلاح کی عملاً دعوت دینا ہے۔ اس معاملے میں ارکان جماعت جتنے زیادہ راست رو اور بے شر ہوں گے اور جس قدر بھلائی کرنے اور بھلائی کی طرف دعوت دینے میں سرگرم ہوں گے اسی قدر وہ اپنا تحفظ بھی کریں گے اور دوسروں کے تحفظ کا بھی موثر ذریعہ ثابت ہوں گے۔

۲۔ اگر فسادات کی حالت میں کوئی رکن جماعت گھر جائے اور اس پر حملہ ہو جائے تو وہ اپنی مدافعت کے لیے ہاتھ اٹھا سکتا ہے۔ اس صورت میں اگر اس کے ہاتھ سے کوئی مارا جائے تو مقتول کی ذمہ داری شرعاً خود مقتول پر ہوگی۔ اور اگر وہ خود کام آ گیا تو ان شاء اللہ شہید ہوگا۔

۳۔ اگر کسی فرد جماعت کے سامنے ہندوؤں یا مسلمانوں کا کوئی گروہ کسی مظلوم پر دست درازی کر رہا ہو تو اس کو روکنے کی اور مظلوم کو بچانے کی حتی المقدور کوشش کرنی چاہیے۔

۴۔ فسادات کی حالت میں اگر کوئی شخص یا خاندان خطرے میں مبتلا ہو خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم، اپنی طرف سے کوشش کر کے اسے اپنی پناہ میں لے لیا جائے اور اپنے آپ کو خطرے میں ڈال کر بھی اس کی حفاظت کی جائے۔

۵۔ فسادات کے زمانے میں جب بھی اور جہاں کہیں موقع ملے عامۃ الناس کو اور اگر ممکن ہو سکے تو فسادات بھڑکانے والوں کو بھی سمجھانے کی کوشش کی جائے۔ ان کو خدا سے ڈرایا جائے۔ اگر مسلمان ہوں تو ان کو دین کا حقیقی مقصد اور اس کے حصول کا صحیح طریقہ بتایا جائے اور

یہ واضح کیا جائے کہ بلالحاظ مذہب و ملت لوگوں کو ظلم سے بچانے کے سلسلے میں ان کا فریضہ کیا ہے اور اگر غیر مسلم ہوں تو ان پر نیشنلزم کے برے نتائج واضح کیے جائیں۔

(ترجمان القرآن جلد ۲۹، عدد ۵، ص ۲۴۸)

رپورٹ کی دیگر ضروری چیزیں

رپورٹ میں اس امر پر اظہار مسرت کیا گیا کہ جماعت کے رفقاء، ہمدرد اور متاثرین نے اکثر مقامات پر حسب توفیق اچھا کام انجام دیا اور ان کی سیرت و کردار کے جو نمونے سامنے آئے ان سے ہندو مسلمانوں دونوں کی صحیح خدمت کا موقع ملا۔ لیکن ظاہر ہے افراد جماعت کی تعداد اس وقت آٹے میں نمک سے بھی کم تھی۔ اس لیے ان کی کوششوں کی اہمیت اور ان کے اثرات کو عام طور پر تو محسوس نہیں کیا جا سکتا تھا تاہم جماعت کے افراد نے جو کام کیا اللہ کے فضل سے حالات پر اس کا بہت اچھا اثر مرتب ہوا۔

اپریل ۱۹۴۷ء میں ارکان اور جماعتوں کی تعداد، جو قیم جماعت نے رپورٹ میں پیش کی:

صوبہ	کل ارکان	مقامی جماعتیں	منفرد ارکان
پنجاب	۲۶۴	۳۶	۶۸
یوپی	۹۵	۱۷	۱۳
حیدرآباد دکن و برار	۲۹	۴	۵
مدراس	۳۵	۵	۵
سرحد	۲۳	۶	۵
دہلی	۱۷	۱	۰
سندھ	۱۱	۲	۲
بمبئی	۱۱	۲	۳
بہار	۱۰	۲	۲
بنگال	۸	۱	۱
راجپوتانہ	۸	۱	۴
وسط ہند	۷	۲	۱
ریاست میسور	۴	۲	۰
کل میزان	۵۳۲	۸۱	۱۰۹

جماعت اسلامی کے قیام سے پہلے مولانا مودودیؒ کی جو تصانیف منظر عام پر آ گئیں، ان کی فہرست قیام جماعت سے پہلے کی تفصیل میں آ چکی ہے۔ قیام جماعت کے بعد یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ وہ تصانیف جو ۱۹۴۷ء تک منظر عام پر آ گئیں، وہ ذیل میں درج ہیں۔

۱۹۴۱ء

(۱) قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں — مولانا مودودیؒ
(۲) اسلام اور جاہلیت — مولانا مودودیؒ
(۳) نیا نظام تعلیم — مولانا مودودیؒ
(۴) انسان کا معاشی مسئلہ اور اس کا حل — مولانا مودودیؒ

۱۹۴۲ء

(۱) سلامتی کا راستہ — مولانا مودودیؒ

۱۹۴۳ء

(۱) دین حق
(۲) مرتد کی سزا
(۳) روداد جماعت اسلامی حصہ اول

۱۹۴۴ء

(۱) اسلام کا اخلاقی نقطۂ نظر
(۲) روداد جماعت اسلامی حصہ دوم
(۳) حقیقت شرک — مولانا امین احسن اصلاحی

۱۹۴۵ء

(۱) حقیقت توحید — مولانا امین احسن اصلاحی

(۲) اشتراکیت اور نظام اسلام

(۳) روداد جماعت اسلامی حصہ سوم

(۴) دعوت اسلامی اور اس کے مطالبات

(۵) تحریک اسلامی کی اخلاقی بنیادیں

۱۹۴۶ء

(۱) شہادت حق

(۲) دعوت دین اور اس کا طریقہ کار — مولانا امین احسن اصلاحی

(۳) روداد جماعت اسلامی حصہ چہارم

۱۹۴۷ء

(۱) جماعت اسلامی کی دعوت

(۲) بناؤ اور بگاڑ

(۳) حقیقت تقویٰ — مولانا امین احسن اصلاحی

(۴) ہندستان میں تحریک اسلامی کا آیندہ لائحہ عمل

(۵) روداد جماعت اسلامی حصہ پنجم

(۶) الجہاد فی الاسلام (۱۹۲۸ میں ہی منظر عام آ گئی تھی جسے بعد میں جماعت کے لٹریچر میں شامل کرلیا گیا)

مجلس شوریٰ

جماعت اسلامی کی اولین مجلس شوریٰ ۷/افراد پر مشتمل تھی، جنھیں امیر جماعت نے نامزد کیا تھا۔ اس کے بعد فروری ۱۹۴۲ء میں ۱۶/اہل الرائے حضرات پر اور پھر اکتوبر ۱۹۴۳ء میں ۱۳/ارکان پر مشتمل مجلس شوریٰ کی تشکیل ہوئی۔

اپریل ۱۹۴۶ء کے اجتماع ہرورہ الہ آباد کے فیصلے کے مطابق مجلس شوریٰ کے انتخاب کے سلسلے میں پوری جماعت میں سے ۱۲ موزوں ترین افراد چنے گئے اور اس سلسلے میں ارکان سے

استصواب کیا گیا۔ پھر ارکان کی رایوں کو سامنے رکھ کر امیر جماعت نے مجلس شوریٰ کو منتخب کیا۔ اس طریقہ کار کے مطابق جو ۱۲/ارکان مجلس شوریٰ کے لیے منتخب کیے گئے ان کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) مولانا امین احسن اصلاحی — (۲) مولانا مسعود عالم ندوی

(۳) مولانا محمد اسمٰعیل مدراس — (۴) مولانا عبدالجبار غازی

(۵) مولانا عبدالغفار حسن مالیر کوٹلہ — (۶) ملک نصر اللہ خاں عزیز لاہور

(۷) خان سردار علی خان سرحد — (۸) محمد یوسف صدیقی ٹونک

(۹) سردار محمد اکرم خاں کیمل پور — (۱۰) قاضی حمید اللہ سیالکوٹ

(۱۱) سید عبدالعزیز شرقی جالندھر — (۱۲) چودھری شفیع احمد پھلواڑہ یوپی

قیم جماعت میاں طفیل محمد صاحب بحیثیت عہدہ اس مجلس کے رکن مقرر کیے گئے۔ مئی ۱۹۴۷ء میں دارالاسلام پٹھان کوٹ کے کل ہند اجتماع میں مرکزی شوریٰ کا از سر نو انتخاب ہوا اس طرح کہ ارکان جماعت نے اپنی خفیہ رایوں کے ذریعے پوری جماعت میں سے مجلس شوریٰ کے لیے درج ذیل ارکان کو منتخب کیا:

(۱) جناب مولانا امین احسن اصلاحی — (۲) جناب مولانا مسعود عالم ندوی

(۳) جناب مولانا محمد اسمٰعیل مدراس — (۴) جناب مولانا عبدالحق چاچڑاں شریف

(۵) جناب مولانا غازی عبدالجبار — (۶) جناب ملک نصر اللہ خاں عزیز

(۷) جناب خان سردار علی خان — (۸) جناب محمد یوسف صدیقی

(۹) جناب قاضی حمید اللہ سیالکوٹ — (۱۰) جناب چودھری شفیع احمد

(۱۱) جناب مولوی محمد یونس حیدرآباد دکن — (۱۲) جناب چودھری علی احمد خاں پھلواڑہ

جیسا کہ پچھلے صفحات میں کہا گیا کہ امیر جماعت مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ صاحب نے اپنے مدراس کے عام خطاب اور پھر جماعت کے آخری اجتماع پٹھان کوٹ میں حالات کی تبدیلی کے آثار کے پیش نظر فرمایا تھا کہ اب جلد ہی ملک ہند اور پاکستان دو ملکوں میں تقسیم ہو جائے گا، حالات جلد اپنے آخری موڑ پر پہنچ چکے تھے اور ملک تقسیم ہوا ۱۴/اگست اور ۱۵/اگست ۴۷ء کو پاکستان اور ہندستان کے نام سے دو ملک معرض وجود میں آ گئے۔

جماعت اسلامی ہند
تقسیم ہند کے مختصر حالات

تقسیم ملک سے پہلے آل انڈیا کانگریس کمیٹی اور کل ہند مسلم لیگ کی رہنمائی میں وطنی اور نسلی قومیت کی بنا پر دو اہم تحریکیں ملک میں جاری تھیں۔ ان تحریکوں کی وجہ سے تقسیم ملک کے وقت فرقہ وارانہ فضا نہایت کشیدہ ہو چکی تھی۔ بگاڑ اپنی آخری حدوں کو پہنچ چکا تھا۔ جماعت اسلامی کا مرکز پٹھان کوٹ میں واقع تھا۔ تقسیم ملک کے حالات سے خاص طور پر پنجاب، دہلی اور مغربی یوپی کے امن و امان کو سخت صدمہ پہنچ چکا تھا اور جماعت اسلامی کے ذمہ دار قبل تقسیم کے ذمہ دار لاہور پہنچ چکے تھے۔ مختلف مقامات پر ارکان جماعت کے سامنے یہ سوال تھا کہ اب ہمارے نظم جماعت کی کیا صورت ہونی چاہیے جب کہ ملک دو حصوں میں تقسیم ہو چکا ہے اور الگ الگ دو ملک بن گئے ہیں۔

مشرقی یوپی کے ارکان جماعت کو نسبتاً ایک جگہ جمع ہو کر باہمی تبادلۂ خیال کا موقع حاصل تھا۔ مولانا ابواللیث صاحب ندوی جو سرائمیر اعظم گڑھ کے مقامی امیر تھے، انھوں نے جماعت کے مرکز سے خط و کتابت شروع کی اور ہندستان کے ارکان جماعت کے ان احساسات سے مطلع کیا جو ایک نئی صورت حال کی وجہ سے پیدا ہو رہے تھے۔

مولانا کے مکتوب کے جواب میں قیم جماعت میاں طفیل محمد صاحب نے ۱۹ر فروری کو تحریر فرمایا:

''آپ حضرات ہندستان میں مقیم ارکان شوریٰ قیمین حلقہ جات اور دوسرے

صائب الرائے حضرات کو کسی ایک جگہ جمع کر کے مشورہ کریں اور ہندستان کے نظام جماعت کو الگ کر لیں۔ اور اگر ممکن ہو سکے تو مرکزی دفتر کے علاوہ لٹریچر کی اشاعت کے کام اور مرکزی بیت المال کو کسی ایسی جگہ منتقل کر لیں جہاں یہ سارے کام ہو سکیں۔''

جماعت کی تشکیل جدید جماعت اسلامی ہند کے نام سے

حالات کی خرابی کے باوجود خدا کا شکر ہے کہ اس نازک موقعے پر بھی ہندستان کے ارکان جماعت پوری طرح ثابت قدم رہے۔

شہر الٰہ آباد میں جناب سید حسین صاحب کے مکان پر یوپی کے منتخب ارکان کا ایک اجتماع منعقد ہوا۔ اجتماع کی کارروائی مولانا ابواللیث صاحب کے زیر صدارت انجام پائی۔ باہمی مشورے سے یہ نوٹ کیا گیا کہ امیر جماعت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ سے مولانا موصوف مراسلت کریں اور شرکائے اجتماع کی رائے سے انھیں مطلع کر دیں، جو درج ذیل ہے:

''اب تقسیم ملک کے بعد حالات ایک ہی جماعت کے نظم کو برقرار رکھنے کی اجازت نہیں دیتے، اس لیے ہندستان کے ارکان جماعت کو اپنا نظم جماعت الگ کر لینا چاہیے۔''

جناب میاں طفیل محمد صاحب (قیم جماعت) نے مولانا ابواللیث صاحب کو جواباً جو لکھا جو اوپر ان کے خط مورخہ ۱۹ر فروری کے حوالے سے تحریر ہے۔

قیم جماعت (میاں طفیل محمد صاحب) سے خط و کتابت مکمل ہو جانے کے بعد مولانا ابواللیث صاحب کا ''ضروری اطلاع'' کے عنوان سے منتخب افراد جماعت کی فہرست کے ساتھ ایک دعوت نامہ جاری ہوا جو اس طرح تھا:

''انڈین یونین کے آیندہ نظم جماعت اور اس سے متعلق مسائل پر غور و خوض کرنے کے لیے ۱۶، ۱۷ اور ۱۸ اپریل ۱۹۴۸ء کو الٰہ آباد میں ایک اہم اجتماع منعقد ہو رہا ہے۔ حسب ذیل حضرات کے نام باقاعدہ دعوت نامے بذریعۂ ڈاک بھیجے جا چکے ہیں۔ لیکن ممکن ہے بعض حضرات کو وقت پر دعوت نامہ نہ مل سکے اس لیے ان حضرات سے درخواست ہے کہ وہ اس اطلاع کو کافی سمجھ کر اس اجتماع میں ضرور شرکت فرمائیں۔'' (تشکیل جماعت اسلامی ہند ص: ۲۳)

معینہ تاریخ ۱۶ تا ۱۸ اپریل ۱۹۴۸ء کو اجتماع شروع ہوا۔ شرکاء اجتماع نے اپنے اپنے علاقوں کی صورت حال کا ذکر کیا اور کہا کہ اگرچہ مسلمانوں پر عام طور سے بددلی و مایوسی کی کیفیات طاری رہی ہیں اور ان کی دل شکستگی بھی ہوتی رہی ہے لیکن خدا کا شکر ہے کہ صورت حال کی خرابی کے باوجود جماعت اسلامی کے ارکان عام طور پر پوری طرح ثابت قدم رہے بلکہ اللہ کے فضل و کرم سے عام طور پر ان کے ایمانیات میں پختگی ہی نظر آئی۔ اجتماع کی باقاعدہ کارروائی شروع ہونے سے پہلے حافظ امام الدین صاحب رام نگری کا ایک طویل خط پڑھا گیا، جس میں انھوں نے ہندستان میں جماعت کے آیندہ طریقۂ کار کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔

اس کے بعد مولانا ابواللیث صاحب کی مختصر افتتاحی تقریر ہوئی، قیم جماعت میاں صاحب اور موصوف کے درمیان جو خط و کتابت ہوئی تھی، اس کا خلاصہ پیش کیا۔ اس کے بعد طے پایا کہ ارکان شوریٰ، قیمین اور وہ اصحاب رائے جن کو مدعو کیا گیا ہے، انتخاب امیر کے معاملے میں حصہ لیں گے۔ ان کے علاوہ انتخاب میں وہ لوگ بھی حصہ لے سکتے ہیں، جن کو یہ حضرات اہل الرائے سمجھ کر ساتھ لائے ہوں۔ چناں چہ فیصلے کے مطابق حسب ذیل حضرات رائے دینے کے مستحق قرار پائے:

۱۔ حامد علی صاحب — ۲۔ چودھری شفیع احمد صاحب — ۳۔ ٹی محمد خالد صاحب
۴۔ محمد حسنین صاحب — ۵۔ مولوی اخوان اللہ صاحب — ۶۔ وی پی محمد علی صاحب
۷۔ اسماعیل عثمان اخلاص صاحب — ۸۔ محمد یوسف صدیقی صاحب — ۹۔ ضیاء الہدیٰ صاحب
۱۰۔ سید احمد صاحب — ۱۱۔ قدرۃ المعین صاحب — ۱۲۔ ہدایت علی صاحب
۱۳۔ مولوی عبدالغفار صاحب — ۱۴۔ مولوی ضیاء النبی صاحب — ۱۵۔ حافظ رشید الحسن صاحب
۱۶۔ جناب عبدالحی صاحب — ۱۷۔ مولوی جلیل احسن صاحب — ۱۸۔ محمد شفیع مونس
۱۹۔ افضل حسین صاحب — ۲۰۔ ظہیر الحسن صاحب — ۲۱۔ سلطان احمد صاحب
۲۲۔ مولوی ابواللیث صاحب — ۲۳۔ مولوی صدرالدین صاحب — ۲۴۔ مولوی عبید اللہ صاحب
۲۵۔ محمد اسحٰق صاحب — ۲۶۔ سید حسن صاحب — ۲۷۔ مولوی زکریا صاحب
۲۸۔ سید حسین صاحب — ۲۹۔ محمد یوسف صاحب — ۳۰۔ ظہیر عالم صاحب
۳۱۔ مولوی مختار علی صاحب — ۳۲۔ مفتی مکرم حسین صاحب — ۳۳۔ چودھری رفیع الدین صاحب

۳۴۔ مولوی ایوب صاحب — ۳۵۔ مولوی شفیق صاحب — ۳۶۔ مولوی ابوالخیر صاحب
۳۷۔ منشی عبدالرؤف صاحب — ۳۸۔ منشی ذاکر حسین صاحب — ۳۹۔ محمد یحییٰ راقب صاحب
۴۰۔ محی الدین ایوبی صاحب — ۴۱۔ ڈاکٹر محمد عمر آزاد صاحب

اجتماع کی کارروائی اور جو فیصلے کیے گئے انھیں تحریری شکل میں جناب محمد یوسف صدیقی صاحب کے بدست مرکز بھیجا گیا۔ اس تحریر کا خلاصہ درج ذیل ہے:

مرکز کے حسب ہدایت ہندستان میں آیندہ نظم جماعت کے مسئلے پر غور کرنے کے لیے ارکان شوریٰ (ہند) قیمین اور خاص خاص اہل الرائے حضرات کا ایک نمائندہ اجتماع ۱۶ اپریل ۱۹۴۸ء کو الٰہ آباد میں منعقد ہوا۔ مولانا ابواللیث صاحب کی مرکز سے جو خط و کتابت ہوئی تھی اس کے پیش نظر متفقہ طور پر فیصلہ کیا گیا:

> "انڈین یونین کی جماعت اسلامی کا نظم فوراً الگ کر لیا جائے۔ مولانا محمد اسماعیل صاحب، مولانا صدرالدین اصلاحی صاحب اور مولانا اختر احسن اصلاحی صاحب جناب محمد یوسف صدیقی کے نام یکے بعد دیگرے پیش ہوئے، اس کے بعد مولانا صدرالدین صاحب نے فرمایا کہ اگر مدرسۃ الاصلاح ہی سے انتخاب کرنا ہے تو ہم مولانا ابواللیث صاحب کے نام پر اتفاق کر چکے ہیں چناں چہ مولانا ابواللیث کے نام پر سب متفق ہو گئے۔"

حسب ذیل قرارداد اتفاق رائے سے منظور ہوگئی:

> "جماعت نے بالاتفاق ابواللیث صاحب کو انڈین یونین کی جماعت کا امیر منتخب کر لیا ہے۔"

اس کے بعد مرکز کے قیام کے مسئلے پر غور و خوض شروع ہوا۔ محمود نگر (لکھنؤ) کا نام بھی پیش ہوا۔ منشی ہدایت علی صاحب نے وہاں ایک جائداد کی پیش کش کی اور اسے قبول کر لینے کی درخواست کی۔ انھیں اپنی پیش کش پر مزید غور کرنے کا موقع دیا گیا اور ان کے جواب کے پیش نظر آخر کار ان کی پیش کش قبول کر لی گئی۔ پیش کش یوں تھی:

☆ ایک مکان زیر تعمیر واقع موضع محمود نگر پرگنہ تحصیل ملیح آباد ضلع لکھنؤ
☆ ایک قطعہ اراضی تقریباً تین بیگہ۔ پختہ واقع محمود نگر

☆ ایک قطع اراضی ایک بیگھا سے زائد

آپ نے مزید فرمایا کہ نمبر ایک اور نمبر دو کے درمیان دس بارہ گز چوڑی سڑک حائل ہے اور نمبر تین لکھنؤ، شاہجہاں پور روڈ پر واقع ہے۔ اس پیش کش کے تمام پہلوؤں پر غور کر لینے کے بعد یہ طے کیا گیا کہ ہدایت علی صاحب کی پیش کش قبول کر لی جائے۔ یہ بھی طے ہوا کہ بیت المال اور دارالاشاعت دونوں کا طے شدہ حصہ بھی جماعت اسلامی ہند کے مرکز میں منتقل کیا جائے۔

(ماخوذ از تشکیل جماعت اسلامی ہند ص ۷۰-۷۸)

اجتماع کی کارروائی کے جواب میں ۱۰؍مئی ۴۸ء کو امیر جماعت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ صاحب نے مولانا ابواللیث صاحب کے نام اپنے خط میں لکھا:

"حکیم محمد خالد صاحب کے ایک پوسٹ کارڈ سے مجھے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ آپ کو بالاتفاق وہاں کے رفقاء نے امیر منتخب کیا ہے۔ اب تفصیلات کا علم ہوا۔ خدا کا شکر ادا کیا کہ جماعت خود بھی اسی نتیجے پر پہنچی جس پر میں پہنچا تھا۔ مرکز کے لیے ہدایت علی صاحب کی پیش کش کو قبول کرلیا جائے۔ جماعت کی مملوکہ املاک کے لیے انڈین یونین میں ایک رجسٹرڈ باڈی بنالیں، دارالاشاعت کے لیے بھی جو انتظام مناسب سمجھیں کرلیں۔" (تشکیل جماعت اسلامی ہند ص ۷۸-۸۱)

جماعت کی امارت کی ذمہ داری سنبھال لینے کے بعد مولانا ابواللیث صاحب نے حسب ذیل حضرات کو عارضی طور سے صرف ایک سال کے لیے شوریٰ کا رکن منتخب کیا۔

۱۔ مولانا اختر احسن اصلاحی صاحب سرائمیر
۲۔ چودھری شفیع احمد صاحب بارہ بنکی
۳۔ حکیم محمد خالد صاحب الہ آباد
۴۔ جناب اسمٰعیل اخلاص صاحب بمبئی
۵۔ جناب محمد یوسف صدیقی صاحب ٹونک
۶۔ مولانا صدر الدین اصلاحی صاحب
۷۔ جناب محمد یوسف صاحب
۸۔ مولانا اسمٰعیل صاحب مدراس

۹۔ جناب محمد یونس صاحب حیدرآباد
۱۰۔ جناب حسنین سید صاحب بہار
۱۱۔ حافظ عبدالتواب صاحب کلکتہ

ارکان شوریٰ کے انتخاب کے بعد امیر جماعت نے جناب محمد یوسف صاحب (الہ آباد) کو قیم جماعت مقرر فرمایا۔ اس کے بعد ملیح آباد کے ایک رکن جماعت جناب نصیر الحق صاحب کا تقرر کیا گیا تاکہ مکتبے کے جن کاموں کو وہ بآسانی انجام دے سکتے ہیں انھیں انجام دیں۔

مختلف شکلوں میں ازروئے حسابات، جماعت اسلامی ہند کا جو حصہ قرار پایا وہ گیارہ ہزار ایک سو چونتیس روپے دس آنے اور سات پائی بنتا تھا۔ لیکن اس میں نقد رقم کچھ بھی نہ تھی۔ دارالاشاعت وغیرہ کی وصول طلب رقم تھی جس کی فہرست موصول ہوگئی تھی۔

مجلس شوریٰ منعقدہ ملیح آباد اگست ۴۸ء کے خاص فیصلے

ابتدائی درس گاہ کا قیام

(۱) تعلیمی نظام کا ابتدائی جز فوراً بروئے کار لایا جائے اور عارضی طور سے باغ (منشی ہدایت علی صاحب کا پیش کردہ) کی موجودہ عمارت کو ضروری اور مناسب تبدیلیوں کے بعد طلبہ کی درس گاہ اور اقامت گاہ کے طور پر استعمال کیا جائے۔

(۲) بچوں کی تعلیم وتربیت کے لیے محمد شفیع مونس اور جناب افضل حسین صاحب یا ایسے ہی کسی اور شخص کی خدمات حاصل کی جائیں جو بچوں کی تعلیم وتربیت کا عملی تجربہ رکھتا ہو اور تعلیم اطفال سے متعلق جدید معلومات اور نظریات کے مطابق تیار بھی ہو۔

(۳) جیسا کہ ہرداره ضلع الہ آباد کے کل ہند اجتماع منعقدہ اپریل ۱۹۴۶ء کے تذکرہ میں آچکا ہے کہ ایک ہمدرد جماعت جناب منظور احسن جامعی صاحب کمرڈیہہ بہار کے سوال کے جواب میں مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے فرمایا تھا کہ جماعت کے نصب العین کے لیے اقامت دین کی اصطلاح استعمال کرنی چاہیے۔ اس کے بعد کچھ تقسیم ملک کی ہی آوازیں اٹھنے لگی تھیں۔ اب امیر جماعت اسلامی ہند مولانا ابواللیث صاحب کی تحریک پر اگست ۴۸ء کے اجلاس میں اس مسئلے پر باقاعدہ غور ہوا اور طے پایا کہ دستور جماعت میں نصب العین کے طور پر اقامت دین کی اصطلاح درج کی جائے۔

اس کے بعد ۵ تا ۷ اپریل ۵۰ء میں ارکان شوریٰ کے مشورے سے درج ذیل فیصلے کیے گئے۔

انگریزی تعلیم یافتہ نوجوان طلبہ کے لیے جو دینی اور عربی تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہوں ان کی تعلیم کا حسب حال انتظام کیا جائے۔

امیر جماعت مولانا ابواللیث صاحب نے محمد شفیع مونس سے تبادلۂ خیال کے دوران فرمایا کہ موصوف چاہتے ہیں کہ وہ جماعت کی ہمہ وقتی خدمات کے لیے مرکز آجائیں اور غور کر کے اپنی آمادگی سے مطلع کریں۔ اس کے بعد مرکز میں تربیت کے لیے دورفیقوں کی خدمات، دعوتی کام کے لیے وفود کے تقرر اور غیر مسلموں کو دعوت حق پہنچانے سے متعلق ضروری باتیں طے کی گئیں۔

آخر میں منتخب امیر جماعت مولانا ابواللیث صاحب ندوی نے فرمایا کہ ان دنوں وہ مدرسۃ الاصلاح سرائمیر اعظم گڑھ میں معلمی کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ طلبہ کے سالانہ امتحانات قریب ہیں اس بنا پر یہ مناسب نہیں ہے کہ فوری طور پر کسی دوسرے مقام پر منتقل ہوسکیں۔ چناں چہ خود موصوف کی تجویز کے پیش نظر طے کیا گیا کہ فوری طور پر مولانا سرائمیر کو ہی جماعت کا مرکز رکھیں اور جناب محمد یوسف صاحب جنھیں قیم جماعت مقرر کیا گیا ہے وہ بھی وہیں منتقل ہو جائیں۔

جماعت اسلامی ہند کے مرکز کا قیام اور منتقلیاں

جماعت کی تشکیل جدید کے موقعے پر یہ حقیقت پیش نظر تھی کہ تقسیم ملک سے پہلے جمال پور پٹھان کوٹ پنجاب میں جماعت کا جو مرکز تھا اس کا بدستور مرکز کا برقرار رہنا انتہائی مشکل ہے۔

سرائے میر اعظم گڑھ

اس بنا پر منشی ہدایت علی صاحب کی پیش کش پر یہ طے ہوا کہ مرکز محمود نگر ملیح آباد لکھنؤ میں رکھا جائے لیکن منتخب امیر مولانا ابواللیث صاحب ندوی مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ میں اپنی تدریسی ذمے داریاں رکھتے تھے، اس وجہ سے طے پایا کہ چند ماہ کی عارضی مدت کے لیے جماعت کا مرکز سرائے میر اعظم گڑھ میں ہی رکھا جائے۔ اس دوران میں مرکز کی جانب سے اصل کام صرف یہ ہوا کہ مختلف تنظیمی حلقوں کے قیمین حضرات اور حسب ضرورت دوسرے رفقاء جماعت سے مراسلت اور باقاعدہ رپورٹوں پر تبصرے کے طور پر مراسلت اخبار "الانصاف" الہ آباد، کے ذریعے بھی مشورے دیے جاتے رہے۔ قبل تقسیم مدراس کے منعقدہ اجتماع میں جو چار نکاتی لائحہ عمل پیش ہوا تھا وہ افراد جماعت کے سامنے تھا۔

ملیح آباد

جیسا کہ منشی ہدایت علی صاحب کی تجویز پر طے ہوا تھا، ۴۸ء کے اواخر میں مرکز سرائے میر سے ملیح آباد منتقل ہو گیا۔ مولانا محمد یوسف صاحب قیم جماعت تھے۔ درس گاہ اور مکتبہ دو مزید

شعبے قائم کیے گئے یکم جنوری ۴۹ء میں درس گاہ کا قیام وجود میں آیا۔ ابتدائی درس گاہ اسلامی کے ناظم جناب افضل حسین صاحب تھے اور ان کے معاون استاد محمد شفیع مونس تھے۔ مکتبہ کے لیے جماعت کے دو رکن چودھری محمد رفیع الدین صاحب اور جناب نصیر الحق صاحب مقرر کیے گئے۔ محمد شفیع مونس کو یہ ہدایت کی گئی کہ وہ شعر و ادب کا ذوق رکھنے والے احباب سے ربط پیدا کریں اور باقاعدہ حلقۂ ادب اسلامی کا قیام بھی عمل میں لایا جائے۔ شعبہ مالیات میں آمد و صرف کے مختصر حسابات رکھنے کی ضرورت درپیش تھی۔ اس سلسلے میں جناب افضل حسین صاحب کی خدمات حاصل کی گئیں۔ قیم جماعت جناب محمد یوسف نے قیمین حلقہ جات اور حسب ضرورت مقامی امراء وغیرہ سے ربط رکھا جن کی باقاعدہ رپورٹیں ملنے لگیں۔ اور موقعے موقعے سے دوروں کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ ۴۸ء میں مجلس شوریٰ کا دوسرا اجلاس منعقد ہوا اور ضروری فیصلے کیے گئے۔

محمود نگر ملیح آباد صاف ستھری آب و ہوا کے پہلو سے تو بہت اچھی جگہ تھی لیکن موجودہ زمانے کی تمدنی سہولتیں وہاں کمیاب تھیں۔ ضرورت کا تقاضا تھا کہ مرکز کسی ایسے مقام پر منتقل کیا جائے جہاں پریس، بجلی، ٹیلیفون اور آمد و رفت وغیرہ کی قابل اطمینان سہولتیں مہیا ہوں۔ چناں چہ اس سلسلے میں ایک منتخب کمیٹی نے پہلے بھوپال کا اور اس کے بعد رام پور کا سفر کیا اور مرکز کے لیے رام پور کو ترجیح دی گئی۔

رام پور

رام پور میں جماعت سے ہمدردانہ تعلق رکھنے والے ایک صاحب نے جو امجد میاں کے نام سے موسوم تھے محلہ گھنڈ سار کہ میں "مینائی منزل" کے نام سے اپنی ایک عمارت کی پیش کش کی، جو ابتدائی طور پر مرکز، مکتبہ، درس گاہ وغیرہ کی متعلقہ ضرورتوں کے لیے مناسب تھی۔ اس کے علاوہ تین معمولی قسم کے فیملی کوارٹرز بھی تھے جہاں امیر جماعت، قیم جماعت وغیرہ کی رہائش کا بندوبست کیا جا سکتا تھا۔ جولائی ۴۹ء میں مرکزی درس گاہ اسلامی ملیح آباد سے رام پور منتقل ہو گئی۔ پھر کچھ دنوں کے بعد مرکز اور مکتبہ کی منتقلی بھی عمل میں آ گئی۔ درس گاہ اسلامی کے اساتذہ میں افضل حسین صاحب اور راقم (محمد شفیع مونس) کے علاوہ جناب سید شوکت علی نیازی صاحب اور جناب عبدالوحید خاں صاحب بھی شامل ہو گئے، جو رامپور کی مقامی درس گاہ رامپور میں معلمی کے

خدمات انجام دے رہے تھے۔ جہاں تک مکتبے کا تعلق ہے کچھ عرصے کے بعد جناب سید عبدالقادر صاحب (حیدر آباد) کو اس کا منیجر مقرر کیا گیا اس کے کچھ دنوں بعد جناب مطیع الرحمان اختر صاحب کا تقرر ہوا۔

ملیح آباد کے دوران قیام میں جماعت کے جو شعبے قائم ہو چکے تھے اب ان کے علاوہ شعبہ ادارۂ تصنیف و تالیف کا قیام بھی عمل میں آیا۔ مولانا صدر الدین صاحب اصلاحی اس کے ناظم منتخب ہوئے پھر کچھ دنوں کے بعد جناب وحید الدین خاں صاحب اور مولانا سید جلال الدین عمری صاحب کا بھی مصنفین کی حیثیت میں تقرر کیا گیا۔

ماہنامہ "زندگی" جسے مولانا حامد علی صاحب نے کچھ عرصے پہلے جاری کیا تھا اور موصوف خود ہی اس کے مدیر بھی تھے۔ اب جماعت کے زیر ملکیت آ گیا اور مولانا موصوف بدستور ایک عرصے تک اس کے مدیر کی حیثیت میں کام کرتے رہے۔ کچھ دنوں کے بعد ثانوی درس گاہ کا قیام بھی وجود میں آیا اور مولانا عبدالودود صاحب ندوی اس کے ذمے دار مقرر کیے گئے۔

تنظیمی امور کی ذمہ داری قیم جماعت مولانا محمد یوسف صاحب انجام دے رہے تھے۔

لیکن اب ۵۰ء میں راقم (محمد شفیع مونس) کو قیم حلقہ اتر پردیش مقرر کیا گیا اور اس نظم کے تحت مغربی یوپی، مشرقی یوپی، وسطی یوپی، لکھنؤ اور حلقۂ بریلی رام پور کے چاروں حلقے بھی بدستور قائم رہے۔ اس کے کچھ عرصے بعد رام پور میں ایک اور اہم شعبہ، شعبۂ تربیت قائم ہوا اور مولانا سید حامد علی صاحب کو اس کا نگراں مقرر کیا گیا۔

ماہنامہ "کانتی" (ہندی) جاری ہوا اور جناب کوثر یزدانی صاحب اس کے مدیر مقرر ہوئے۔ ایک اور رفیق انور اعظمی صاحب کو حلقۂ ادب اسلامی میں معاونت کے لیے ملیح آباد میں بلا لیا گیا تھا، رام پور منتقلی کے بعد انھیں ماہنامہ زندگی کا منیجر مقرر کیا گیا۔

رام پور منتقل ہو جانے پر جماعت نے اپنے مختلف شعبوں کے کاموں سے متعلق کیا کیا پروگرام طے کیے اور انھیں کس طرح عملی جامہ پہنایا گیا، یہ سب چیزیں متعلقہ عنوانات کے تحت آگے آئیں گی۔

دہلی

۱۹۶۰ء تک پہنچتے پہنچتے اللہ کے فضل سے جماعت کے افراد اور کاموں میں بتدریج

وسعت پیدا ہوتی چلی گئی اور مختلف اطراف سے یہ تجویز سامنے آنے لگی کہ جماعت کا مرکز ملک کی راجدھانی دہلی میں ہونا چاہیے تاکہ مختلف قسم کی ان تمام سہولتوں سے خود جماعت کو بھی استفادے کا موقع مل سکے، جو یہاں ملک کی مختلف جماعتوں کو حاصل ہیں۔ چناں چہ ۵۹ء کے اواخر میں جماعت کا مرکز دہلی منتقل ہو گیا۔ آغاز کار کے طور پر محلہ کشن گنج میں ایک مکان کرائے پر لیا گیا اور کل ہند اجتماع منعقدہ ۱۱ر تا ۱۳ر نومبر ۱۹۶۰ء کے بعد سوئیوالان میں ایک اوسط درجے کی عمارت خریدی گئی جہاں مرکز منتقل ہو گیا۔

دعوت

اخبار "الانصاف" الہ آباد، شروع میں جماعت کے کچھ رفقاء کے زیر ملکیت تھا، جس سے جماعت کی ترجمانی میں بڑی مدد مل رہی تھی۔ اب اس کی جگہ اخبار "دعوت" نے لے لی اور وہ بھی مرکز محلہ کشن گنج دہلی میں منتقل ہو گیا۔ دعوت کے مدیر جناب سید اصغر علی عابدی صاحب اور معاون مدیر جناب محمد مسلم صاحب تھے اور کچھ عرصے کے بعد محمد مسلم صاحب اس کے مدیر مقرر کر دیے گئے۔ اور بعد ازاں وقتاً فوقتاً حسب ضرورت اس کے عملہ میں حذف و اضافہ ہوتا رہا۔

اس کے بعد جماعت کے کاموں اور اس کے شعبوں میں مزید توسیع ہوئی اور اخبار "دعوت" ماہنامہ "زندگی" اور ہفتہ وار "کانتی" کو محلہ کشن گنج سے منتقل کرنے کا مسئلہ سامنے آیا۔ جماعت کا مرکز سوئیوالان سے ۱۳۵۳، بازار چتلی قبر منتقل کر دیا گیا۔ یہ عمارت بھی جماعت کے زیر ملکیت آ گئی تھی۔ اور سوئیوالان کی عمارت ۱۵۲۵ اخبار 'دعوت' 'کانتی'، (ہندی) اور ماہنامہ "زندگی" کے لیے مخصوص کر دی گئی۔

جمال پریس

مرکزی مکتبہ اسلامی کی کتابوں کی اور اسی طرح جماعت کے اخبارات و رسائل کی طباعت کے لیے ایک پریس کی ضرورت بھی محسوس کی گئی۔ جامع مسجد کے قریب چھتہ شیخ منگلو کے قریب جمال پریس کے نام سے ایک پرنٹنگ پریس خریدا گیا۔

ابوالفضل انکلیو

۱۳۵۴ر بازار چتلی قبر میں مرکزی مکتبہ اسلامی ایک عرصہ پہلے اشاعت اسلام ٹرسٹ کے تحت آچکا تھا۔ جماعت کی دوسری ضرورتوں میں بھی اضافہ ہوگیا تھا اور سب سے بڑھ کر یہ مشکل سامنے آنے لگی تھی کہ بازار چتلی قبر کی بھیڑ بھاڑ کی وجہ سے تھری وہیلر تک کو مرکز تک آنے میں بڑی دشواری پیش آنے لگی تھی، بلکہ بسا اوقات سائیکل، رکشہ کی آمد و رفت کے لیے بھی دشواری پیش آنے لگی تھی۔ اس بنا پر ضرورت پیش آئی کہ اب مرکز پرانی دہلی سے باہر منتقل کیا جائے۔ چناں چہ اسے نومبر ۱۹۹۱ء میں ابوالفضل انکلیو منتقل کر دیا گیا۔

جماعت اسلامی ہند اور طلبہ تحریکات

جماعت اسلامی ہند کے نام سے جماعت کی تشکیل جدید کے بعد جب مختلف علاقوں اور مقامات پر نظم و استحکام کی طرف نئے عزم کے ساتھ توجہ کی گئی تو کہیں کہیں اسکولوں اور کالجوں کے طلبہ بھی متوجہ ہوئے اور تحریک اسلامی کا لٹریچر ان کے مطالعے میں آنے لگا۔ تشکیل جدید سے پہلے راؤ شمشاد علی خاں، عبداللہ صفدر، آسی ضیائی وغیرہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں زیر تعلیم تھے، انوار علی خاں سوز، جو جماعت کے ایک کارکن تھے، کو بھی داخلہ مل چکا تھا۔ اس کے بعد محمد نجات اللہ صدیقی، حمید اللہ، راؤ عرفان احمد خاں اور پھر قاضی اشفاق احمد اور دوسرے چند طلبہ، جو پہلے ہی سے تحریک اسلامی سے متعارف ہو چکے تھے، کا بھی یونیورسٹی میں داخلہ ہوا۔ ان طلبہ کا ایک ڈھیلا ڈھالا سا نظم کام کرنے لگا۔ ان کے باقاعدہ ہفتہ وار اجتماعات ہونے لگے۔ مطالعے کے لیے جماعت کا لٹریچر بھی دستیاب ہونے لگا۔

ثانوی تعلیم سے فارغ ہو کر محمد نجات اللہ صدیقی صاحب، راؤ عرفان احمد خاں صاحب، حمید اللہ صاحب، عبدالحق انصاری صاحب اور پھر قاضی اشفاق احمد صاحب علی گڑھ پہنچے تو طلبہ میں نسبتاً تحریک اسلامی کا تعارف بہتر طور پر ہونے لگا۔ یہاں تک کہ ۱۹۵۶ء میں طلبہ کے باقاعدہ نظم کی ضرورت پیش آئی 'اسٹوڈنٹس اسلامک آرگنائزیشن' کے نام سے ایک طلبہ تنظیم باضابطہ دستور کے ساتھ کام کرنے لگی۔

۱۹۶۶ء میں حلقہ مغربی یوپی دہلی کی مجلس شوریٰ نے اپنے اجلاس منعقدہ رام پور میں

حلقۂ طلبہ مغربی یو پی و دہلی کے نام سے ایک نظم قائم کیا اور جناب عرفان احمد خاں صاحب کو اس کا ناظم مقرر کیا اور پھر مرکزی مجلس شوریٰ نے جماعت کی اپنے چار سالہ ۱۹۷۲ء تا ۱۹۷۶ء میقاتی پالیسی پروگرام میں طلبہ کے لیے الگ حلقوں کے قیام کا فیصلہ کیا۔ چناں چہ کئی مقامی و علاقائی سطحوں پر بھی جماعت کی سرپرستی میں طلبہ کے حلقے سرگرم عمل ہونے لگے۔

ایمرجنسی کے بعد

مارچ ۷۷ء میں ایمرجنسی کے خاتمے کے ساتھ طلبہ کے بعض حلقوں نے ایک کل ہند تنظیم کی ضرورت محسوس کی اور اسٹوڈنٹس اسلامک موومنٹ (SIM) کے نام سے ان کی تنظیم معرض وجود میں آئی۔ اس سے بعض مقامات کے طلبہ کی ان تنظیموں نے بھی ربط قائم کیا جو اپنی آزاد حیثیت میں کسی نہ کسی نام سے اسلامی دعوت کا کام کرتی رہی تھیں۔ ایک دو سال کی مختصر مدت میں ایس آئی ایم ایک متعارف طلبہ تنظیم بن گئی۔ اسی دوران میں مختلف افراد کی زبان پر اس طرح کے الفاظ بھی آنے لگے تھے کہ طلبہ کی کل ہند تنظیم جماعت اسلامی ہند کے زیر سرپرستی قائم ہونی چاہیے اور ایس آئی یو آندھرا پردیش کی جانب سے یہ باقاعدہ تجویز جماعت کے مرکز کو موصول ہوئی کہ جماعت طلبہ کے مختلف اسلامی حلقوں کے درمیان ایک کل ہند رابطے کی صورت پیدا کرے۔ اس تجویز پر زور دیتے ہوئے بعض دوسری طلبہ تنظیموں کے نمائندوں نے فروری ۱۹۸۱ء میں مرکز سے تحریری طور پر درخواست کی کہ جماعت اور طلبہ تنظیموں کے درمیان باقاعدہ رابطے کی صورت اختیار کی جائے۔

جماعت کا فیصلہ

جماعت اسلامی ہند کی مرکزی مجلس شوریٰ نے طلبہ تنظیموں کی درخواست کے پیش نظر طے کیا کہ ان تنظیموں سے متعلق ضروری معاملات کو دیکھا اور ان کا جائزہ لیا جائے۔ چناں چہ اپریل ۱۹۸۱ء میں جناب محمد سراج الحسن صاحب کی کنوینر شپ میں مجلس شوریٰ کے چار ارکان پر مشتمل ایک کمیٹی کی تشکیل کی گئی۔ کنوینر کے علاوہ کمیٹی کے دیگر ارکان محمد شفیع مونس، جناب عبدالعزیز صاحب اور جناب ٹی۔ کے۔ عبداللہ صاحب تھے۔

بنگلور کا اجلاس

جماعت کے تحت طلبہ کی جو مختلف تنظیمیں اور حلقے عمل پیرا تھے، ۲۹، ۳۰ جون ۱۹۸۱ء کو بمقام بنگلور ان کا اجلاس ہوا۔ کمیٹی کے ارکان بھی شریک اجلاس تھے۔ طلبہ نے باہمی مشورے سے طے کیا کہ جماعت اسلامی ہند کے زیر سرپرستی طلبہ کی کل ہند تنظیم کی تشکیل کی جائے۔

اس سوال پر کہ طلبہ جماعت کی کس طرح کی سرپرستی چاہتے ہیں، ان کا متفقہ جواب یہ تھا کہ اس کے بارے میں جماعت کی مرکزی مجلس شوریٰ خود طے کرے۔

کمیٹی نے اپنی رپورٹ مرکز جماعت کے سامنے پیش کی اور اسی دوران میں اسٹوڈنٹس اسلامک موومنٹ کی جانب سے بھی مرکز جماعت کو ایک تجویز موصول ہو چکی تھی۔ اس میں بھی طلبہ کی ایک کل ہند تنظیم کی درخواست کی گئی تھی۔ چناں چہ لکھنؤ میں SIM کی شوریٰ اور ان کے کچھ دوسرے نمائندوں سے تفصیلی تبادلۂ خیال ہوا اور آخر کار SIM کے صدر محمد ذکی کرمانی صاحب نے ایک تحریر پیش کی جس میں درج ذیل دو صورتیں تجویز کی گئی تھیں:

۱۔ مناسب ترین شکل یہ ہے کہ طلبہ کی ایک ہی ملک گیر تنظیم ہو

۲۔ اگر یہ شکل فوری طور پر قابل قبول نہ ہو تو بصورت دیگر ہماری تجویز یہ ہے کہ تمام طلبہ تنظیموں کی ایک رابطہ کمیٹی تشکیل دی جائے

اجلاس کالی کٹ

کمیٹی کی رپورٹ کے پیش نظر فیصلہ کیا گیا کہ ملک کی بہ شمول SIM کے تمام اسلامی طلبہ تنظیموں کے نمائندوں کا اجلاس طلب کیا جائے۔ چناں چہ ۱۱ر دسمبر ۱۹۸۱ء کو کالی کٹ میں تمام اسلامی طلبہ تنظیموں کے نمائندوں کا اجلاس منعقد ہوا۔ دو طرح کے خیالات سامنے آئے ایک یہ کہ طلبہ تنظیموں کے شریک اجلاس نمائندے جماعت کی باضابطہ سرپرستی میں ایک کل ہند تنظیم قائم کرنے کے حق میں ہیں نمبر دو یہ کہ اسی طرح کی باضابطہ سرپرستی میں طلبہ کی اسلامی تنظیموں کا کل ہند وفاق چاہتے ہیں۔ حلقۂ طلبہ اسلامی بہار کی رائے وفاق کے حق میں تھی اور باقی نمائندوں کی رائے ایک کل ہند تنظیم کے حق میں۔ البتہ بہار کے طلبہ نمائندوں نے یہ یقین دلایا کہ جماعت کی مجلس شوریٰ کا جو فیصلہ ہوگا، وہی ان کے لیے بھی بہر صورت واجب التعمیل ہوگا۔ مختلف طلبہ

تنظیموں کے نمایندوں نے ایک مشترکہ تحریر پر دستخط کیے۔ ان نمایندوں کے نام درج ذیل ہیں:

حلقۂ طلبہ اسلامی بہار کے ناظم اعلیٰ سید محمد اقبال، ایس آئی ایم کے صدر محمد رفعت، ایس آئی یو کی جانب سے عبدالباسط انور، حلقۂ طلبہ اسلامی شولہ پور مہاراشٹر کی طرف سے تجمل حسین، ایس آئی سی تامل ناڈو کی جانب سے عبدالرؤف خالد اور حلقۂ طلبہ اسلامی کرناٹک کی جانب سے محمد فہیم الدین۔

شریک اجلاس نمایندوں کی طرح حلقۂ طلبہ اسلامی بہار کی مجلس شوریٰ نے بھی اپنے ۲۳؍ دسمبر ۱۹۸۱ء کی ہنگامی نشست میں اسی رائے سے اتفاق کیا تھا کہ ان کے لیے جماعت کی مرکزی مجلس شوریٰ کا فیصلہ واجب التعمیل ہوگا۔

کل ہند تنظیم کے قیام کا فیصلہ

جماعت کی مجلس شوریٰ نے ۱۶؍ فروری ۱۹۸۲ء کو طلبہ تنظیموں کی سفارش کے پیش نظر ایک کل ہند تنظیم کے قیام کا بایں الفاظ فیصلہ کیا:

> ''ایک کل ہند طلبہ تنظیم ہو جسے جماعت کی باقاعدہ سرپرستی حاصل ہو۔ سرپرستی کا مفہوم جماعت کی شوریٰ متعین کرے گی۔ اس تنظیم کا ایک دستور بھی ہوگا جو طلبہ کے نمایندوں کے مشورے سے تیار کیا جائے گا۔ اس کا نفاذ سرپرست اعلیٰ امیر جماعت اسلامی ہند کی منظوری کے بعد ہوگا۔''

۱۰؍ مارچ ۱۹۸۲ء کے اپنے ایک خط کے ذریعے محمد رفعت صدر ایس آئی ایم نے اپنی مجلس نمایندگان کے اس فیصلے سے جماعت کے مرکز کو مطلع کیا کہ کل ہند تنظیم کے فیصلے کو ہم اطمینان قلب کے ساتھ قبول کرتے ہیں۔ البتہ کالی کٹ کے اجلاس میں سرپرستی کی کوئی شکل طے نہیں ہوئی تھی۔ اس بنا پر انھوں نے ایس آئی ایم کی قطعی رائے سے مطلع کرنے کے لیے اپنی تنظیم کے نمایندگان سے تفصیلی گفتگو کی ضرورت ظاہر کی اور قطعی جواب کے لیے جماعت کی مجلس شوریٰ سے مزید مہلت مانگی۔ ۱۹۸۲ء کے وسط اگست کے اجلاس کے بعد صدر تنظیم نے امیر جماعت کو اطلاع دی کہ سرپرستی کی جو شکل ایس آئی ایم کی مجلس نمایندگان نے تجویز کی وہ یہ ہے:

> ''طلبہ کی تنظیم اور جماعت کے نمایندوں پر مشتمل ایک مشاورتی کمیٹی تشکیل دی جائے جو ان تمام امور کے سلسلے میں تنظیم کو مشورہ دے جن کے ضمن میں تنظیم نے اس

> کمیٹی سے رجوع کیا ہو۔ اس طریقے سے توقع ہے کہ تنظیم کو جماعت کی مطلوبہ سرپرستی حاصل ہو سکے گی۔''

SIM کے اس فیصلے کے بارے میں مرکز جماعت میں یہ سمجھا گیا کہ جس مسئلے پر جماعت کی مجلس شوریٰ اور SIM کے نمایندوں کے درمیان اتفاق نہ ہو سکا تھا وہ یہ تھا کہ آیا سرپرستی کی بات تنظیم کے دستور میں درج ہو یا تنظیم کی پالیسی، بیان وغیرہ میں۔ شوریٰ کی رائے دستور میں اندراج کے حق میں تھی اور SIM کے نمایندوں کی رائے پالیسی، بیان وغیرہ میں اندراج کے حق میں۔ چناں چہ یہاں پہنچ کر بات رک گئی تھی۔

دستور سازی

۲۶ تا ۲۹؍ اگست ۱۹۸۲ء کو دہلی میں ایک اجلاس طلب کیا گیا۔ اس میں SIM کے ساتھ اور دوسری تنظیموں کے تین تین نمایندوں کو شرکت کی دعوت دی گئی۔ اجلاس محمد شفیع مونس کی صدارت میں ہوا۔ بہار سے محمد جعفر، احمد علی اختر اور سید محمد اقبال، آندھرا پردیش سے عبدالباسط انور، حامد محمد خاں اور خواجہ عارف الدین، تامل ناڈو سے محمد غالب حسین، پیر محمد عطاء اللہ، اور ٹی این عبدالرؤف خالد، کرناٹک سے محمد اقبال ملا اور مہاراشٹر سے محمد اشفاق احمد نے شرکت کی۔ SIM کا کوئی نمایندہ اس اجلاس میں شریک نہیں تھا۔

تشکیل تنظیم

اس اجلاس میں ایک کل ہند تنظیم کا دستور مرتب کیا گیا۔ تنظیم کا نام 'اسلامی تنظیم طلبہ' (Students Islamic Organisation) طے ہوا۔ اور اس کے اغراض و مقاصد طے کیے گئے۔

دستور کی ''دفعہ ۳'' کے تحت اس تنظیم کے اغراض و مقاصد درج ذیل ہیں:

۱۔ طلبہ اور نوجوانوں میں دین کا صحیح علم و شعور پیدا کرنا

۲۔ اللہ کے آخری رسول حضرت محمدؐ کے ذریعے قیامت تک کے لیے جو مستند ہدایت نامہ اور مکمل ضابطۂ حیات بھیجا گیا ہے، اس کے مطابق انفرادی اور اجتماعی زندگی گزارنے کے لیے انھیں آمادہ کرنا

۳۔ معروف (بھلائیوں) کے فروغ اور منکر (برائیوں) کے ازالے کے لیے انھیں آمادہ کرنا

۴۔ ملک کی عام طلبہ برادری اور نوجوانوں سے تنظیم کے اغراض و مقاصد کے لیے زیادہ سے زیادہ تعاون حاصل کرنا

۵۔ نظام تعلیم میں اخلاقی اقدار اور تعلیمی اداروں میں بہتر تعلیمی ماحول کے فروغ اور اس کو نشو و نما دینے کی کوشش کرنا

۶۔ افراد تنظیم کی فکری، دینی اور اخلاقی تربیت کا اہتمام کرنا، ان کی صلاحیتوں کو نشو و نما دینا اور انھیں تحریک اسلامی کے لیے مفید تر بنانے کی کوشش کرنا

صدر تنظیم کا انتخاب

دستور منظور ہو جانے کے بعد تنظیم کے صدر اور CAC (Central Advisory Council) کا انتخاب ہوا۔ تنظیم کی دو دو سالہ میقات میں ۱۹۸۳ء سے ۱۹۹۸ء تک ایک ایک میقات کے لیے آٹھ صدر منتخب ہوئے جو درج ذیل ہیں:

۱۔	جناب محمد جعفر	۸۵-۸۳
۲۔	جناب محمد اشفاق احمد	۸۷-۸۵
۳۔	جناب پی سی حمزہ	۸۹-۸۷
۴۔	جناب توفیق اسلم	۹۱-۸۹
۵۔	جناب عبدالجبار صدیقی	۹۳-۹۱
۶۔	جناب امین الحسن	۹۵-۹۳
۷۔	جناب ملک معتصم خاں	۹۷-۹۵
۸۔	جناب ملک معتصم خاں	۹۹-۹۷

قیمین حلقہ جات تشکیل جدید سے پہلے

حلقہ بنارس:	حافظ ابو محمد امام الدین رام نگری (تشکیل ہوتے ہی مولانا صدرالدین اصلاحی صاحب کا تقرر ہوا۔)
علاقہ بارہ بنکی:	چودھری شفیع احمد صاحب
حلقہ الہ آباد:	حکیم محمد خالد صاحب
حلقہ کانپور:	ماسٹر جعفر علی صاحب
حلقۂ روہیلکھنڈ:	مولانا سید حامد علی صاحب
حلقۂ مغربی یوپی و دہلی وغیرہ:	محمد شفیع مونس
حلقۂ بہار:	محمد حسنین سید صاحب
حلقۂ مدھیہ پردیش:	سید ظہیر الحسن صاحب
حیدرآباد:	محمد یونس صاحب
حلقۂ کلکتہ:	حافظ عبدالتواب صاحب
ٹونک و راجپوتانہ:	محمد یوسف صدیقی صاحب
بمبئی و گجرات:	اسمٰعیل اخلاص صاحب
حلقۂ مدراس:	مولانا سید صبغۃ اللہ صاحب بختیاری
مالابار:	وی پی محمد علی صاحب

تشکیل جدید کے بعد جو رد و بدل ہوتا رہا اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱۹۴۸ء : حلقہ بمبئی : اسمٰعیل اخلاص صاحب کے بجائے محی الدین ایوبی صاحب قیم مقرر کیے گئے۔

۱۹۴۹ء: مولانا عبدالقدیر اعظم عباسی صاحب (محمد شفیع مونس کی مرکز منتقلی کے بعد) مغربی یوپی و دہلی وغیرہ کے قیم مقرر کیے گئے۔

۵تا ۷/ اپریل ۱۹۵۰ء

۱۔ حلقہ اودھ کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔

حلقہ لکھنؤ کے لیے چودھری شفیع احمد صاحب اور حلقہ پرتاپ گڑھ کے لیے منشی عبدالرؤف صاحب قیم مقرر کیے گئے۔

۲۔ حلقہ روہیل کھنڈ کو بھی دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔

حلقۂ شاہ جہاں پور کے لیے مولانا سید حامد علی صاحب اور حلقہ رام پور کے لیے جناب محمد عبدالحیٔ صاحب قیم مقرر کیے گئے۔

۳۔ حلقہ بنارس کے لیے مولانا جلیل احسن ندوی صاحب قیم مقرر کیے گئے۔

جنوری ۱۹۵۱ء

حلقۂ یوپی کے لیے محمد شفیع مونس قیم مقرر ہوئے۔ اور یوپی کے طے شدہ تمام حلقوں کو بھی بدستور قائم رکھا گیا۔

۱۹۵۲ء

حلقۂ بمبئی: محی الدین ایوبی صاحب کی جگہ جناب شمس پیرزادہ صاحب قیم مقرر ہوئے۔

حلقۂ بھوپال: سید ظہیر الحسن صاحب کی جگہ جناب انعام الرحمٰن خاں صاحب قیم مقرر ہوئے۔

حلقۂ بنارس: مولانا جلیل احسن صاحب کی جگہ مولانا ملک حبیب اللہ صاحب کا بحیثیت قیم تقرر ہوا۔

رام پور اور شاہجہاں پور: ان دونوں حلقوں کو ملا کر ایک کر دیا گیا۔ محمد شفیع مونس کو حلقے کا قیم مقرر کیا گیا اور طے کیا گیا کہ یوپی کے دوسرے حلقوں کا بھی بدستور دورہ کریں۔

شہر لکھنؤ: شہر لکھنؤ کے لیے چودھری شفیع احمد صاحب۔

حلقہ لکھنؤ: ضلع پرتاپ گڑھ کو بھی اسی حلقے میں شامل کیا گیا اور منشی عبدالرؤف صاحب کو اس پورے حلقے کا قیم مقرر کیا گیا۔

حلقۂ کانپور: کے لیے سید جعفر علی صاحب۔

حلقہ الٰہ آباد: کے لیے جناب محمد اسحاق صاحب۔

حلقہ کلکتہ: کو براہِ راست مرکز سے متعلق کیا گیا۔

جون ۱۹۵۵ء

حلقۂ بہار: یہ حلقہ شمالی اور جنوبی دو حصوں میں تقسیم کیا گیا اور طے ہوا کہ شمالی بہار کے ہمہ وقتی قیم جناب حسنین سید صاحب اور جنوبی بہار کے قیم جناب سید ضیاء الہدیٰ صاحب ہوں گے۔

شمالی اودھ: (اضلاع لکھیم پور کھیری وغیرہ پر مشتمل) قیم جناب مجیب الرحمٰن صاحب مقرر کیے گئے۔

جنوبی اودھ: لکھنؤ (باستثناء شہر لکھنؤ) وغیرہ پر مشتمل۔ جناب عبدالغفار ندوی صاحب قیم مقرر کیے گئے۔

حلقہ حیدرآباد: یہ حلقہ بھی شمالی اور جنوبی دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔

حلقہ میسور: سید عبدالحکیم صاحب قیم مقرر کیے گئے۔

میسور و مدراس کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ مولانا سید عبدالحکیم صاحب میسور کے، مولانا محمد امین صاحب شمالی آرکاٹ کے اور مولانا شیخ عبداللہ صاحب ٹاملسنان کے قیم مقرر کیے گئے۔

اس کے بعد تنظیمی حلقوں میں کچھ اور تبدیلی کی گئی، جو اس طرح ہے:

جون ۱۹۵۶ء

حلقہ بنگال و آسام: طے کیا گیا کہ ہر دو ریاست پر مشتمل ہوگا۔

حلقۂ شمالی بہار:

حلقہ جنوبی بہار: ریاست اڑیسہ کو بھی اس میں شامل کر دیا گیا۔

جولائی ۱۹۷۹ء

حلقۂ آسام: سید شمس الہدیٰ صاحب، امیر حلقہ مقرر کیے گئے۔

۱۹۶۹ء

اتر پردیش پوری ریاست پر مشتمل ایک تنظیمی حلقہ قرار دیا گیا اور سید حامد حسین صاحب اس کے امیر مقرر کیے گئے۔

حلقہ آندھرا پردیش: پوری ریاست پر مشتمل ایک تنظیمی حلقہ قرار دیا گیا اور محمد شفیع مونس کو اس کا امیر مقرر کیا گیا۔

جون ۱۹۷۲ء

حلقہ اتر پردیش: محمد شفیع مونس کو امیر حلقہ مقرر کیا گیا۔

امرائے حلقہ جات ۱۹۹۸ء کے اواخر میں

۱۔ جناب رحمت اللہ شریف صاحب	حلقۂ آسام
۲۔ جناب ڈاکٹر رئیس الدین صاحب	حلقۂ مغربی بنگال
۳۔ جناب قمر الہدیٰ صاحب	حلقۂ بہار
۴۔ جناب نصرت علی صاحب	حلقۂ اتر پردیش
۵۔ جناب ڈاکٹر محمد رفعت صاحب	حلقۂ دہلی و ہریانہ
۶۔ جناب محمد عبدالرؤف صاحب	حلقۂ پنجاب و ہماچل پردیش
۷۔ جناب انجینئر محمد سلیم صاحب	حلقۂ راجستھان
۸۔ جناب محمد شفیع مدنی صاحب	حلقۂ گجرات
۹۔ جناب سید ظہور الحسن صاحب	حلقۂ مدھیہ پردیش
۱۰۔ جناب مجتبیٰ فاروق صاحب	حلقۂ مہاراشٹر
۱۱۔ جناب سید عبدالباسط انور صاحب	حلقۂ آندھرا پردیش
۱۲۔ جناب محمد اقبال ملا صاحب	حلقۂ کرناٹک
۱۳۔ جناب عبدالرقیب صاحب	حلقۂ تامل ناڈ
۱۴۔ جناب اے کے صدیق حسن صاحب مولوی	حلقۂ کیرلہ

کل ہند مسلم مجلس مشاورت

حیدرآباد کے پولیس ایکشن اور شمالی ہند کے کچھ چھوٹے اور کچھ اوسط درجے کے فسادات کے بعد ملک کا سب سے بڑا پہلا فساد، جس میں جانی و مالی دونوں طرح کے بڑے پیمانے پر نقصانات ہوئے، مہاکوشل ــــ مدھیہ پردیش ــــ کا فساد تھا۔ علاقہ مہاکوشل اضلاع جبل پور، ساگر اور نرسنگھ گڑھ پر مشتمل ہے۔ اس علاقے کے فساد کی نوعیت اور اس وقت کے حالات کچھ اس طرح کے تھے کہ یہ علاقہ ملک کی تمام سیاسی اور غیر سیاسی جماعتوں کی توجہ کا مرکز بن گیا تھا۔ جماعت اسلامی ہند اور جمعیۃ علماء ہند نے یہاں ریلیف کا کام مل جل کر کیا تھا۔ حالات کی سنگینی نے مسلم رہنماؤں کو اس طرف متوجہ کیا کہ مسلمانوں کا ایک کنونشن بلایا جائے۔ ملک کی اہم مسلم جماعتیں اس کی داعی ہوں اور تمام جماعتوں اور مکاتب فکر کے ممتاز حضرات کو اس میں شریک کیا جائے۔ مولانا حفظ الرحمن صاحب سیوہاروی ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند نے اس سلسلے میں دلچسپی کا اظہار کیا مگر حکومت کے ذمے داروں نے اسے پسند نہیں کیا کہ کنونشن میں جماعت اسلامی ہند اور مسلم لیگ کی شرکت ہو۔ بہ ہر حال کنونشن منعقد ہوا لیکن کامیاب نہ ہوا۔ اس سے جو توقعات وابستہ کی گئی تھیں، پوری نہ ہو سکیں۔ اس کے بعد کلکتہ اور ضلع چوبیس پرگنہ (مغربی بنگال) میں بڑا فساد ہوا اور اس کے بعد جمشید پور اور راول کیلا کے اس علاقے میں بھی جو بہار اور اڑیسہ دونوں ریاستوں سے تعلق رکھتا تھا۔ ان فسادات، ان کے اسباب اور نقصانات نے مسلم رہنماؤں کو پھر شدت سے متوجہ کیا کہ وہ ایک مسلم کنونشن بلائیں جس میں مسلمانوں کی تمام جماعتوں اور ان کے مکاتب فکر کی نمائندگی ہو۔

اس تجویز سے ڈاکٹر سید محمود صاحب نے بھی اتفاق کیا اور ان ہی کی صدارت میں

۸، ۹ راگست ۱۹۶۴ء کو دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ایک اجلاس منعقد ہوا، جس میں جمعیۃ علماء ہند، مسلم لیگ اور جماعت اسلامی ہند کے سربراہوں کے علاوہ مختلف ریاستوں کے متعدد نمائندوں اور دیگر مسلم زعماء نے شرکت کی اور اس کنونشن میں آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کی تشکیل عمل میں آئی۔ تشکیل کے بعد جو فیصلے کیے گئے، ان میں درج ذیل خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

☆ مجلس مشاورت ۲۱ ارکان پر مشتمل ہوگی۔ ان کا انتخاب ڈاکٹر سید محمود صاحب درج ذیل حضرات کے مشورے سے کریں گے:

مفتی عتیق الرحمن صاحب، مولانا اسعد مدنی صاحب، مولانا ابواللیث صاحب، مولانا منظور نعمانی صاحب، ملا جان محمد صاحب، مولوی محمد اسمٰعیل صاحب، ابراہیم سلیمان سیٹھ صاحب اور محمد مسلم صاحب۔

☆ ایک وفد ملک کے تمام اہم مقامات کا دورہ کرے گا، مسلمانوں کے حالات کا جائزہ لے گا اور غیر مسلم حضرات سے ربط قائم کر کے ان کا تعاون بھی حاصل کرے گا

☆ مسلمانوں کے متعلقہ مسائل پر ایک میمورنڈم مرتب کیا جائے گا

☆ مرتب کردہ میمورنڈم مسلمانوں کو درپیش قابل توجہ مسائل کی طرف حکومت کو متوجہ کرے گا

اس کے بعد ۱۹۶۵ء میں مشاورت کا دستور مرتب کیا گیا، جس میں ۱۹۸۶ء میں بعض جزوی ترمیمات کی گئیں اور طے کیا گیا کہ اغراض و مقاصد کل ہند مجلس مشاورت کے مطبوعہ دستور میں درج ہیں ان کے پیش نظر مشاورت کے عہدے داران اور دیگر متعلقات کیا ہوں گے

پھر ۱۲ تا ۱۸ رمئی ۱۹۶۷ء اور ۳۰ نومبر تا ۵ دسمبر ۱۹۸۳ء میں درج ذیل اہم باتیں نوٹ کی گئیں:

(الف) مشاورت کے دستور میں ایسی تبدیلیاں ہوں کہ مجلس میں مسلمانوں کی مختلف جماعتوں اور مکاتب فکر سے اپیل کی جائے کہ وہ مشاورت کے مشترک پلیٹ فارم کو مستحکم اور مضبوط بنانے کی فکر کریں

(ب) مسلمان دینی و ملی تقاضوں کو پورا کریں اور ملک کی تعمیر و ترقی کے کاموں سے واقفیت رکھیں۔

ذمے داران مشاورت کا دورہ

مجلس مشاورت کے اہم فیصلے کے تحت ذمے داران مشاورت نے ملک کے مختلف علاقوں اور مقامات کا دورہ کیا۔ ڈاکٹر سید محمود صاحب صدر مشاورت کا جن غیر مسلم رہنماؤں سے ربط و تعلق تھا، دورے میں ان سے بھی بڑی مدد ملی۔ یوں تو ان حضرات نے شمالی ہند کے علاقوں کا بھی دورہ کیا لیکن اصلی کامیابی جنوبی ہند کے دورے میں ہوئی۔ سب سے بڑھ کر ریاست کرناٹک کا پروگرام کامیاب ہوا۔ جگہ جگہ جلسے ہوئے۔ وفد کو مسلمانوں اور غیر مسلموں کے اہم اور ممتاز افراد سے تبادلۂ خیال کا موقع ملا اور ہر ایک جگہ اس وفد کا شاندار انداز میں استقبال ہوا۔

مرکزی سطح سے جو حضرات وفد میں شامل تھے، ان کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ ڈاکٹر سید محمود صاحب
۲۔ مولانا ابواللیث ندوی صاحب
۳۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب
۴۔ مولانا محمد منظور نعمانی صاحب
۵۔ مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانی
۶۔ ملا جان محمد صاحب
۷۔ جناب مظہر امام صاحب
۸۔ جناب محمد مجتبیٰ صدیقی صاحب
۹۔ جناب ابراہیم سلیمان سیٹھ صاحب

مسلم پرسنل لاء اور اس کا تحفظ

جہاں تک جمہوری تصورات و اقدار کا تعلق ہے، ان کا صحیح تقاضا یہی ہے کہ مختلف مذاہب اور تہذیبیں رکھنے والوں کو اس بات کی آئینی و قانونی مکمل آزادی ہو کہ وہ اپنے معاملات اپنے پرسنل لاء کے مطابق طے کریں اور ہر طرح کے دھوکے، دھاندلی اور جبر و اکراہ سے محفوظ رہیں۔ ان کے مذہبی و تہذیبی معاملات اور عائلی قوانین میں مداخلت و تبدیلی کا اختیار نہ مقننہ کو ہونا چاہیے، نہ انتظامیہ کو اور نہ عدلیہ کو۔ ورنہ ظاہر ہے کہ ایک جمہوری نظام اور ایک کلیت پسندانہ و آمرانہ نظام میں کوئی جوہری فرق و امتیاز نہیں کیا جاسکتا۔ دستور ہند نے اس جمہوری اصول کو تسلیم کیا ہے اور مذہبی و تہذیبی اکائیوں کو ان کے حقوق کی ضمانتیں دی ہیں۔

جہاں تک ملت اسلامیہ کے شخصی و عائلی قوانین کا تعلق ہے، ان کے سلسلے میں یوں سمجھنا چاہیے کہ "وہ حالت جبکہ اختیارات کی باگیں ان کے اپنے (اہل اسلام کے) ہاتھ میں نہ ہوں بلکہ ملک کے عام باشندوں یعنی وہاں کے جمہور کے ہاتھوں میں ہوں تو اس حالت میں بھی اپنی شخصی، عائلی اور معاشرتی زندگی کے میدانوں میں ان پر لازم ہوتا ہے کہ ان کے معاملات اسلامی شریعت کے مطابق انجام پائیں۔ عقد، نکاح، طلاق و خلع، مہر و نفقہ اور عدت اور وقف وغیرہ سے متعلق عائلی قوانین ہوں یا تقسیم ترکہ و میراث سے متعلق شرعی قوانین، ان سب کی وہ پوری پوری پابندی کریں اور ساتھ ہی ان کی یہ بھی ذمے داری ہوتی ہے کہ ان قوانین میں وہ کسی طرح کی تبدیلی نہ ہونے دیں۔ دراصل یہی قوانین ہیں جن کا عنوان ہے "مسلم پرسنل لاء"۔

لیکن ساتھ ہی ایک عجیب ناقابل فہم بات یہ ہوگئی ہے کہ دستور ہند کے رہنما اصولوں کی دفعہ ۴۴ کی صورت میں مملکت کو یکساں سول کوڈ نافذ کرنے کی ہدایت بھی کردی گئی ہے۔

دستور ہند کے نفاذ کے کچھ عرصے بعد مہاراشٹرا اسمبلی میں جب ایک ایسا مسودہ قانون پیش کیا جانے لگا جو مسلم پرسنل لاء میں مداخلت کی کھلی علامت تھا اور اسی طرح کی کچھ اور آوازیں خود ملک کی پارلیمنٹ میں بھی سنائی دینے لگیں تو مداخلت کے اندیشے نے تشویش کی صورت اختیار کرلی اور ضروری ہوگیا کہ مسلمانوں پر اس مسئلے کی نوعیت واہمیت وضرورت واضح ہو۔ ساتھ ہی انصاف پسند غیر مسلموں سے بھی اس سلسلے میں ربط پیدا کیا جائے اور حکومت کو بھی توجہ دلائی جائے کہ دستور کے رہنما اصول کی دفعہ ۴۴ کو حذف کیا جائے۔

۱۹۵۶ء کے اوائل میں جماعت اسلامی ہند کی مرکزی مجلس شوریٰ نے اس مسئلے کو اپنے باضابطہ میقاتی پروگرام میں جگہ دی اور مطالبہ کیا کہ رہنما اصول کی دفعہ ۴۴ کو حذف کیا جائے یا کم از کم مسلمانوں کو اس سے مستثنیٰ کیا جائے یہ دفعہ درج ذیل ہے۔

دفعہ ۴۴

"مملکت یہ کوشش کرے گی کہ بھارت کے پورے علاقے میں شہریوں کے لیے یکساں مجموعہ قانون دیوانی کی ضمانت ہو۔" (بھارت کا آئین۔ اردو)

جماعت کی مجلس شوریٰ کے پیش نظر "اصحاب علم ودانش کے ساتھ ملاقاتوں، منتخب نشستوں، خطابات عام اور اسی طرح سمپوزیم وسیمینار وغیرہ کا اہتمام کیا گیا۔ مقالے لکھے گئے، پڑھے اور شائع کرائے گئے" (خاص طور پر جناب ممتاز علی خاں صاحب کے زیر اہتمام علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں۔)

حکومت کا رویہ موافقانہ نہ تھا بلکہ اس نے ناپسند کیا اور رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کی۔ دباؤ کی ایک صورت یہ تھی کہ ملک کی دو ریاستوں میں جماعت کے ایک ایک ذمے دار (امیر حلقہ راجستھان مولانا مظہر الحق صاحب اور امیر حلقہ اورنگ آباد جناب محمود احمد خاں صاحب) پر بے بنیاد الزامات لگائے گئے اور ان کے خلاف غیر جمہوری وغیر آئینی اقدام کیا گیا۔ لیکن اللہ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ شریعت کی یہ اہمیت اور اس کے تحفظ کی ضرورت کچھ تو اس سلسلے کی مثبت کوششوں کے نتیجے میں اور کچھ اس وجہ سے ہوتی چلی گئی کہ مخالفین کے بیانات اور ان کے عزائم کے اظہار

سے مسلمانوں کو صحیح رائے قائم کرنے میں مدد ملی۔ اور اس طرف رفتہ رفتہ مسلم اکابر، مسلمانوں کے مختلف ادارے اور ان کی جماعتیں متوجہ ہونے لگیں۔

اب "۱۹۷۲ء کی وہ ساعت سعید نگاہوں کے سامنے تھی جب مسلم پرسنل لاء بورڈ کے نام سے مسلمانوں کی مختلف جماعتوں اور مکاتب فکر کے نمایندوں کی صورت میں ایک مشترک پلیٹ فارم کی تشکیل عمل میں آئی۔" بورڈ کی تشکیل کے وقت پہلی بار (وزارت داخلہ کے وزیر مملکت محمد محسن صاحب کی طرف سے) یہ کہا گیا کہ جب تک مسلمان خود نہیں چاہیں گے حکومت مسلم پرسنل لاء میں کوئی ترمیم یا تبدیلی نہیں کرے گی۔

اب مسلم پرسنل لاء بورڈ کی رہنمائی میں مختلف معروف ذرائع سے کام لے کر پورے ملک میں لوگوں کو مسلم پرسنل لاء سے واقف کرانے کی کوشش شروع ہوگئی۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ حکومت کے اس اعلان کا بھی قانون سازی کے وقت صحیح معنوں میں پاس ولحاظ نہیں کیا گیا۔ متبنیٰ بل ۱۹۷۲ء پیش ہوا، طلاقِ مطلقہ ایکٹ ۱۹۷۳ء بنا، وقف ایکٹ ۱۹۸۵ء میں ترمیم کی گئی۔ مگر ہر بار یہی دیکھا گیا کہ مسلم پرسنل لاء کے تحفظ کی بات یا تو حکومت کو یاد ہی نہیں رہی یا وہ بروقت صحیح رہنمائی سے محروم رہی ہے یا پھر کوئی اور بات درمیان میں حائل ہوتی رہی ہے۔ جس کی بنا پر مسلمانوں کے سامنے بار بار الجھنیں اور پریشانیاں آتی رہیں۔

اپریل ۱۹۸۵ء میں محمد احمد بنام شاہ بانو مقدمہ میں سپریم کورٹ کا ایک مشہور فیصلہ سامنے آیا۔ حکومت کے ناقابل اطمینان رویہ پر مسلمانوں کو تشویش تو شروع سے ہی تھی، سپریم کورٹ کے اس فیصلے نے اسے انتہا کو پہنچادیا۔" اس فیصلے پر جماعت اسلامی ہند کی مجلس شوریٰ نے بھی شدید ردعمل کا اظہار کیا جو اس طرح تھا:

مرکزی مجلس شوریٰ جماعت اسلامی ہند نے اپنے سالانہ اجلاس میں مطلقہ عورت کے نان ونفقہ سے متعلق سپریم کورٹ کے فیصلہ مورخہ ۲۹ راپریل ۱۹۸۵ء پر اپنی گہری تشویش اور سخت اضطراب کا اظہار کیا اور کہا کہ یہ سب کچھ حکومت کے قول وفعل کے اس تضاد کا کھلا نتیجہ ہے جو اس نے اختیار کر رکھا ہے۔

۱۹۷۳ء میں جب ضابطۂ فوجداری کی تدوین جدید ہورہی تھی تو اسی وقت مسلم رہنماؤں نے حکومت ہند سے پرزور مطالبہ کیا تھا کہ اس کی دفعہ ۱۲۵ سے مسلمانوں کو مستثنیٰ قرار دیا

جائے کیونکہ مطلقہ عورت کو عقد ثانی تک سابقہ شوہر کی بیوی ماننا مسلمانوں کے شرعی قوانین نکاح و طلاق میں صریح مداخلت کے مترادف ہے اور آنجہانی محترمہ اندرا گاندھی نے اس مطالبے سے اتفاق کیا تھا۔ چناں چہ وزارت داخلہ میں اس وقت کے وزیر مملکت مسٹر رام نواس مردھا نے راجیہ سبھا میں واضح طور پر یقین دہانی کرائی تھی کہ حکومت ضابطۂ فوجداری کے ذریعے مسلمانوں کے پرسنل لاء میں مداخلت نہیں کرنا چاہتی مگر سپریم کورٹ کے فاضل جج صاحبان نے اب یہ کہا ہے کہ حکومت ہند کو یہ غلط فہمی ہو گئی تھی کہ مہر کی رقم طلاق دیتے ہی پر واجب الادا ہوتی ہے جب کہ ان کے خیال کے مطابق یہ درست نہیں ہے اس طرح گویا ضابطۂ فوجداری کے دفعہ ۱۲۷ (۳) (ب) اب عملاً غیر مؤثر ہو کر رہ گئی۔ اپنے تازہ فیصلے میں سپریم کورٹ کی آئینی بنچ نے (اپنے خیال کے مطابق) بائی طاہرہ کیس کی ایک غلطی کی نشان دہی کرتے ہوئے یہ اصلاح کی ہے کہ مذکورہ مقدمہ میں ضابطۂ فوجداری کی متذکرہ دفعہ کا جو تعلق مہر سے جوڑا گیا ہے، وہ صحیح نہیں ہے۔ ان مباحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حکومت ہند اگر روز اول ہی سے ضابطۂ فوجداری کی دفعات ۱۲۵، ۱۲۷ سے مسلمانوں کو واضح طور سے مستثنیٰ قرار دے دیتی ہے تو فاضل جج صاحبان کو بائی طاہرہ یا فضل بی یا محمد احمد خاں مقدمات کے ذریعہ مسلمانوں کے شرعی قوانین کو اس طرح عملاً بے وقعت ٹھیرانے کا موقع نہ ملتا۔

مرکزی مجلس شوریٰ نے حکومت ہند سے پرزور مطالبہ کیا ہے کہ وہ اپنی یقین دہانیوں کو روبہ عمل لائے اور ضابطۂ فوجداری کی متذکرہ دفعات میں فی الفور مناسب ترمیم کر کے مسلمانوں کو ان سے مستثنیٰ کر دے۔ اب یہ ضرورت بھی نمایاں تر ہو گئی ہے کہ آئین کے رہنما اصول کے باب میں درج دفعہ ۴۴ کے تعلق سے بھی کوئی واضح اور دوٹوک فیصلہ کیا جائے تاکہ اس کی آڑ میں مسلم پرسنل لاء کے خلاف چلائی جانے والی مہم کا سد باب ہو سکے۔

مقدمہ محمد احمد بنام شاہ بانو بیگم کا فیصلہ سناتے ہوئے آئینی بنچ نے جس انداز میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کی مداخلت پر نکتہ چینی کی ہے، اس سے کوئی اچھا تاثر بہر حال قائم نہیں ہوتا۔ عدالت نے آئین کی دفعہ ۴۴ کے تحت عملی اقدام کے لیے حکومت کو متوجہ کیا ہے تاکہ (اس کے اپنے خیال کے مطابق) مختلف نظریات کے حامل قوانین سے باشندگان ملک کی وفاداریوں کو مٹایا جاسکے اور قومی یک جہتی سہل الحصول ہو جائے مگر تھوڑے سے غور و فکر کے بعد یہ بات بخوبی سمجھی

جا سکتی ہے کہ یہ طرز فکر نہایت خطرناک رجحان کی نشاندہی کرتا ہے۔ سپریم کورٹ ہی کے دو فاضل جج صاحبان (جسٹس مرتضیٰ فضل علی اور جسٹس اے وارا) نے ۳ر فروری ۱۹۸۱ء کو جس غرض سے یہ مقدمہ ایک وسیع تر بنچ کے حوالے کیا تھا وہ یہ تھی کہ مقدمہ بائی طاہرہ اور فضل بی کے فیصلے انھیں پرسنل لاء کی بنیادی تصور طلاق کے منافی اور ضابطۂ فوجداری کی دفعہ ۱۲۷ (۳) (ب) کے سیدھے سادے مفہوم کے خلاف معلوم ہوئے۔ اس بنا پر ان کا خیال تھا کہ ان کے دور رس اثرات پر حق سوالات کا پورا پورا جائزہ لیا جانا چاہیے مگر اپنے حالیہ فیصلہ میں فاضل جج صاحبان نے قرآن و حدیث سے اور بعض قانون دانوں کی رایوں کے جس انداز سے حوالے دیے ہیں ان سے ایسا لگتا ہے کہ حق و انصاف کے تقاضوں کی تکمیل کے بجائے انھیں کچھ من پسند تاویلات کے ذریعہ ذاتی رجحانات کی توثیق کی زیادہ فکر رہی ہے۔ مہر کی تعریف متعین کرنے میں جہاں ملا اور ڈاکٹر پارس دیوان کی کتابوں سے مدد لی گئی اور کسی نہ کسی طرح ایک خاص مفہوم اخذ کرنے کی کوشش کی گئی ہے وہیں ان دونوں صاحبان کی اور طیب جی کی ان تحریروں کو کیسے نظر انداز کر دیا گیا کہ عدت کی تکمیل پر نان و نفقہ کی ذمہ داری شوہر پر سے پوری طرح ساقط ہو جاتی ہے۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جہاں محمد احمد خاں کی طرف سے قانون شرعی کی مخالفت کرنے والوں پر سخت تنقید کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ ایک غیر ضروری جوش و جذبہ کا مظاہرہ ہے وہیں شاہ بانو کی تائید کرنے والی ایک تنظیم کی ستائش کی گئی ہے۔ بار بار ڈاکٹر طاہر محمود کے حوالے دیے گئے ہیں کہ کس طرح موصوف نے مسلم پرسنل لاء کو ختم کر کے یکساں سول کوڈ کے نفاذ کا مطالبہ کیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ حکومت کے کسی وکیل کے حوالے سے یہ طنز بھی کیا گیا ہے کہ اس کے پاس قانون کی قوت ضرور ہے مگر سیاسی جرأت کہاں ہے؟ یہ فقرے اس بات کے غماز ہیں کہ ہمارے ملک کی سب سے بڑی عدالت کی پروقار آئینی بنچ کے فاضل جج صاحبان سے شعوری یا غیر شعوری طور پر وہ معیارات نظر انداز ہو گئے ہیں، جنھیں ایک آزاد غیر جانبدار اور حق و انصاف کے معاملہ میں حساس عدلیہ کا طرۂ امتیاز سمجھا جاتا ہے۔ اس پس منظر میں اگر کچھ لوگوں کے ذہنوں میں یہ وسوسہ پیدا ہوا ہے کہ ہماری عدلیہ خدانخواستہ کہیں پابند عدلیہ کی راہ پر نہ چل پڑے تو یہ کوئی غیر فطری بات نہیں ہوگی۔

مجلس شوریٰ نے ملکی عدالتوں کے فاضل حکام سے بجا طور پر اس توقع کا اظہار کیا ہے کہ وہ ذاتی رجحانات اور میلانات سے بلند تر ہو کر مختلف تہذیبوں کے حامل اپنے ملک کے

باشندوں اور مختلف طبقات کے معاملہ میں ان کے رسم، رواج اور شخصی قوانین کے احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے مبنی بر انصاف فیصلے کریں گے۔

جماعت کی مرکزی مجلس شوریٰ نے مسلمانانِ ہند کو توجہ دلائی ہے کہ وہ قوانین شرعی کی صحیح معنوں میں پابندی کریں اور یہ یاد دلایا ہے کہ اس معاملے میں کوتاہی دنیا و آخرت دونوں جگہ خسارہ کا باعث بن سکتی ہے۔ اور اس سے اغیار کو خدا اور رسول کی باتوں کا مذاق اڑانے کا موقع ملتا ہے۔ شوریٰ نے کہا کہ اب یہ بھی ضروری ہے کہ شرعی پنچایتوں اور نظام قضا کے ذریعہ فریقین کے باہمی اختلافات و نزاعات کو رفع کرنے کی کوشش کی جائے۔

مرکزی مجلس شوریٰ نے مسلم پرسنل لا بورڈ سے یہ توقع ظاہر کی ہے کہ وہ مسئلے کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لے کر ان بے انصافیوں کے خاتمے کے لیے پر امن، منظم اور نتیجہ خیز جدوجہد کی رہنمائی کرے گا، جن کا ملت اسلامیہ ہند کو سامنا ہے۔" (روداد مجلس شوریٰ ص ۳۹۸-۴۰۱)

سپریم کورٹ کے فیصلے کا ایک نمایاں اثر ضرور ہوا اور وہ یہ کہ اس کی وجہ سے اسلامی تعلیمات اور قوانین شرعی کے مخالفین کی باچھیں کھل گئیں گویا کہ انھیں اپنی کامیابی کا یقین ہو گیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو شر سے بھی خیر برآمد کرنا منظور ہوتا ہے۔

عدو شرے برانگیزد کہ خیر ما دراں باشد

مسلم پرسنل لا بورڈ اور دوسری تنظیموں کی جانب سے اس مسئلہ پر جو موثر پروگرام زیر عمل لائے گئے انھوں نے عوام کو متوجہ و بیدار کیا۔

پارلیمنٹ کی یہ ترمیم مسلم پرسنل لا بورڈ اور مسلمانوں کی دوسری تنظیموں کے یہاں زیر غور آئی۔ جماعت اسلامی ہند کی مرکزی مجلس شوریٰ نے اپنے اجلاس منعقدہ ۲۹ر اپریل تا ۵ر مئی ۸۱ء میں مسلم پرسنل لا کے سلسلے میں ایک اور قرارداد منظور کی۔ (جو "جماعت اسلامی ہند کی مجلس شوریٰ کی قراردادیں" کے صفحہ ۲۸۴ تا ۲۸۷ پر شائع ہوئی ہے۔) اس قرارداد کے بعض نکات کا خلاصہ اس طرح ہے:

مرکزی مجلس شوریٰ حکومت ہند سے پرزور مطالبہ کرتی ہے کہ وہ اپنی یقین دہانیوں کو روبہ عمل لائے اور ضابطۂ فوجداری کی دفعات ۱۲۵، ۱۲۷ مسلمانوں کو مستثنیٰ رکھنے کے لیے اس میں فی الفور ترمیم کرائے اب یہ ضرورت اور بھی نمایاں ہوگئی ہے کہ آئین کے رہنما اصول کے

باب میں درج دفعہ ۴۴ کے تعلق سے بھی کوئی واضح اور دو ٹوک فیصلہ کیا جائے تاکہ مسلم پرسنل لا کے خلاف چلائی جانے والی مہم کا سد باب ہو سکے......

مجلس شوریٰ نے ملک کی عدالتوں کے فاضل حکام سے بھی بجا طور پر اس توقع کا اظہار کیا ہے کہ وہ ذاتی رجحانات اور میلانات سے بلند تر ہو کر مختلف تہذیبوں کے حامل اپنے ملک کے باشندوں اور مختلف طبقات کے درمیان ان کے رسم رواج اور شخصی قوانین کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کے فیصلے مبنی بر انصاف ہوں گے۔

مجلس شوریٰ نے مسلمانان ہند کو توجہ دلائی ہے کہ وہ قوانین شرعی کی صحیح معنوں میں پابندی کریں اور پھر یہ یاد دلایا ہے کہ اس معاملے میں کوتاہی دنیا و آخرت دونوں کے خسارے کا باعث بن سکتی ہے۔ اس نامطلوب صورت حال میں یہ اور بھی ضروری ہو گیا ہے کہ شرعی پنچایتوں اور نظام قضاۃ کے ذریعہ مسلمانوں کے باہمی اختلافات و نزاعات کو رفع کرنے کی کوشش کی جائے"......

مسلم پرسنل لا سے متعلق اس طرح کی ایک اور قرارداد مرکزی مجلس شوریٰ نے اپنے اجلاس مورخہ ۱۰ تا ۱۴ر جولائی ۱۹۸۶ء میں منظور کی، جو اس طرح ہے:

"شاہ بانو کیس میں سپریم کورٹ کے فیصلے کے سبب مسلم پرسنل لا میں مداخلت کی جو راہ کھلی تھی، وہ اللہ کا احسان ہے کہ پارلیمنٹ کے منظور کردہ "مسلم خواتین (حقوق بعد از طلاق) قانون" کے ذریعہ مسدود ہو گئی۔ یہ کامیابی بلاشبہ مسلمانوں کی اجتماعی قوت کے حکیمانہ استعمال کے ذریعے ہی حاصل ہوئی ہے اور تدبیر و دانائی کا تقاضا ہے کہ اس جدوجہد کے دوران اجتماعیت کا جو شعور بیدار ہوا ہے اسے کسی بھی طور پر پژمردہ نہ ہونے دیا جائے۔ مطلقہ قانون کے بعض گوشوں میں کچھ خامیاں رہ گئی ہیں اور انسان کے وضع کردہ قانون میں خامیوں کا پایا جانا کوئی حیرت انگیز یا انوکھی بات بھی نہیں ہے۔ ان کی بنیاد پر مسلم پرسنل لا بورڈ سے اظہار بیزاری یا اس کے اکابر کو ہدف ملامت بنانا درست نہ ہوگا۔ مناسب بات یہی ہوگی کہ ہم اپنی اجتماعیت کو اور زیادہ مضبوط و موثر بنائیں اور اپنے قول و عمل سے اتحاد و عمل کے جذبے کو مضمحل اور کمزور نہ ہونے دیں۔

جماعت اسلامی ہند کی مرکزی مجلس شوریٰ کا یہ اجلاس مسلم مطلقہ قانون کی منظوری پر اظہار اطمینان کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو بھی یہ یاد دلانا چاہتی ہے کہ کام ابھی مکمل نہیں ہوا بلکہ

اصل کام باقاعدہ طور پر شروع بھی نہیں ہوسکا ہے اور یہ کام ہے معاشرہ کی اصلاح اور لوگوں کے اندر ان ذمے داریوں کا شعور پیدا کرنا جو ان کے دین نے ان پر عائد ہوتی ہیں۔ اگر خدانخواستہ یہ کام نہ ہوسکا تو شاہ بانو کیس جیسی الجھنیں آئندہ بھی پیدا ہوتی رہیں گی اور اغیار کو ہمارے خلاف طرح طرح کی ریشہ دوانیوں کا موقع ملتا رہے گا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ جس جوش و خروش اور جذبہ دینی کے ساتھ مسلم پرسنل لا کے تحفظ کی مہم چلائی گئی اس سے دوگنے جوش و خروش کے ساتھ ہم معاشرہ کی اصلاح اور لوگوں میں دینی شعور پیدا کرنے کے لیے کمربستہ ہوجائیں۔

مرکزی مجلس شوریٰ مسلمانوں سے اپیل کرتی ہے کہ وہ اپنے دین کی سادہ و حکیمانہ تعلیمات پر عمل کرنے کی کوشش کریں اور بے جا رسوم اور غلط رواجوں کو ترک کریں کیونکہ اسی طرز عمل میں دنیا و آخرت دونوں کی فلاح مضمر ہے۔

(قراردادیں جماعت اسلامی ہند ص ۲۸۸، ۲۸۹)

مجلس شوریٰ کی ایک اور قرارداد

مسلم پرسنل لاء کے تحفظ اور یکساں سول کوڈ (وہ اختیاری ہو یا لازمی) کے سلسلے میں جماعت کا موقف اگرچہ مرکزی مجلس شوریٰ کی سابقہ منظور شدہ قراردادوں سے واضح تھا۔ تاہم مجلس نے اپنے اجلاس منعقدہ ۳ر نومبر ۸۶ء میں درج ذیل ایک اور قرارداد منظور کی جو ملک کی تسلیم شدہ تمام زبانوں میں لاکھوں کی تعداد میں بڑے پیمانے پر شائع ہوئی۔

"حکومت کی جانب سے پارلیمنٹ کے گزشتہ اجلاس میں بہت واضح طور پر کہا گیا تھا کہ مسلم پرسنل لا میں مداخلت نہیں کی جائے گی اور جو قوانین اس کے خلاف ہیں ہوں گے انھیں بدلا جائے گا۔ یہ یقین دہانی مختلف وزراء کی جانب سے کی گئی تھی۔ مثلاً مسٹر رام نواس مردھا نے کہا" اس ایوان میں ۱۹۷۳ء میں مباحثہ کے دوران یہ بات واضح انداز میں کہی گئی تھی کہ حکومت مسلمانوں کے پرسنل لاء میں مداخلت کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔ مسلم پرسنل لا ایک بہت ہی وسیع اصطلاح ہے، جس میں شریعت بھی اہم رول ادا کرتی ہے۔ مسئلہ بہت ہی سیدھا سادہ ہے۔ ہم مسلمانوں کے پرسنل لا میں مداخلت کرنا نہیں چاہتے۔ کوئی تعریف، کوئی بھی اصطلاح کیوں نہ استعمال کی جائے۔ ہم نے ایوان میں یہ بات بہت ہی واضح کردی ہے اور میری اطلاع کے مطابق اس وقت (۱۹۷۳ء) بھی ہم نے حکومت کی رائے پوری طرح واضح کردی تھی اور اب بھی اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے۔ محض اس قانون (مسلم مطلقہ قانون) 'تحفظ حقوق بعد از طلاق' کو نہیں بلکہ ان دوسرے قوانین کو بھی جن کے ذریعہ مسلم پرسنل لا میں مداخلت ہوتی ہو، ہم بدل دیں گے۔"

"اسی طرح دوسرے وزراء اور کانگریس (آئی) کے ممبران پارلیمنٹ نے مسلم پرسنل لا میں عدم مداخلت کا جو اعلان کیا تھا اور خود وزیر اعظم کی جانب سے جو یقین دہانی ہوتی رہی تھی

معلوم نہیں اب اس کی خلاف ورزی کیوں کی جا رہی ہے۔ جبکہ اب تو کچھ اس طرح کی آوازیں بھی سننے میں آ رہی ہیں کہ ابتداء یکساں سول کوڈ سے ہوگی اور پھر کچھ دنوں بعد اسے لازمی قرار دیا جائے گا۔ آخر مسلمانوں سے کس بنا پر یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ آج نہیں تو کل یکساں سول کوڈ کے لیے آمادہ ہو جائیں گے اسلامی شریعت کی خلاف ورزی کے لیے اور اپنے امتیازی تشخص اور ملی وجود کو مٹا دینے کے لیے رضامند ہو جائیں گے۔"

یہ قرارداد جس میں مسلمانوں کے عائلی قوانین کے بارے میں قدرے تفصیل سے بتایا گیا کہ کون کون سے امور ان کے تحت آتے ہیں یہ کیوں ضروری ہے، اور ان کے سلسلے میں کوئی مداخلت کیوں نہ ہو، یہ سب باتیں "مرکزی مجلس شوریٰ جماعت اسلامی ہند کی قراردادیں" میں شائع ہو چکی ہیں۔

پیش کردہ حقائق کی بنا پر بآسانی سمجھا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کو جس طرح اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ ان کے پرسنل لاء کے خلاف کوئی قانون سازی ہو، اسی طرح وہ اس کے بھی ہرگز مجاز نہیں ہیں کہ اپنی آزادی رائے کا استعمال کر کے خلاف شریعت کسی مجموعۂ قوانین یا کسی قانون کو اختیار یا تسلیم کر لیں۔ مسلمانوں کے اس موقف کی روشنی میں مرکزی مجلس شوریٰ کا حکومت سے پرزور مطالبہ ہے کہ مسلم پرسنل لاء میں کسی طرح بھی کوئی مداخلت نہ ہو۔ مسلمانوں کو اختیاری یکساں سول کوڈ سے بھی مستثنیٰ رکھا جائے اور دستور ہند کے رہنما اصول کی دفعہ ۴۴ سے بھی اور اس امر کی صاف صاف دستوری ضمانت دی جائے کہ مسلمانوں پر کسی بھی ایسے قانون، ضابطہ یا قانون سازی کا اطلاق نہیں ہوگا جو اسلامی شریعت کے خلاف ہو اور جس سے ان کے پرسنل لاء میں کسی طرح کی کوئی مداخلت ہوتی ہو۔

مرکزی مجلس شوریٰ کا یہ اجلاس مسلم پرسنل لا بورڈ سے خاص طور پر اپیل کرتا ہے کہ وہ اس پیچیدہ اور سنگین صورت حال میں مسلمانان ہند کا نمائندہ فورم ہونے کی حیثیت سے بروقت رہنمائی اور موثر نمایندگی کرے۔ حکومت کو پر اثر انداز میں متوجہ کرے کہ وہ یکساں سول کوڈ کی ترتیب اور اس کی منظوری کے سلسلہ میں اختیاری یا لازمی طرز کا جو بھی قدم اٹھائے اس سے مسلمانان ہند کو واضح طور پر لازماً مستثنیٰ قرار دے۔"

مسلم پرسنل لاء اور خواتین

یہ ایک خوش آیند بات ہے کہ مسلم خواتین میں بھی دینی شعور بیدار ہوا۔ چناں چہ ملک میں جگہ جگہ چھوٹے بڑے پیمانے پر مسلم پرسنل لاء کی حمایت میں خواتین کے اجتماعات منعقد ہوئے۔ بمبئی میں خواتین کا ایک بہت بڑا اجتماع ہوا، جس میں انھوں نے مسلم پرسنل لاء کے تحفظ اور اجماع دین و شریعت کے سلسلے میں اپنے دوٹوک فیصلے کا اعلان کیا۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ مسلم پرسنل لاء اور اقامت دین کی جد جہد میں خواتین اپنا رول ادا کرنے کے لیے آگے بڑھ رہی ہیں۔

جس طرح حلقۂ مہاراشٹر اور بعض دوسرے حلقوں میں خواتین پر یہ واضح کیا گیا، توقع ہے کہ اسی طرح دوسرے علاقوں اور اہم مقامات پر بھی وضاحت کے ساتھ بتایا جائے گا کہ شریعت اسلامیہ نے خواتین کو کیا حقوق دیے ہیں، کن فرائض کا پابند کیا ہے اور عائلی زندگی اور دین کی خدمت کے سلسلے میں ان کی ذمے داریاں کیا ہیں۔

اللہ پر بھروسا کرتے ہوئے اگر ہم مردوں اور عورتوں دونوں میں دین کا شعور پیدا کرنے کے لیے زیادہ محنت و جانفشانی سے کام لیں تو امید ہے کہ ملک کو ان مضرتوں سے آگاہ کرنے میں کامیاب ہو سکیں گے، جو موجودہ آئیڈیالوجی کے تحت اس کو پیش آ رہی ہیں اور آنے والی ہیں۔ ساتھ ہی اس راستے کی بھی نشاندہی کی جا سکے گی جو ملک کی مادی اخلاقی اور روحانی ترقی کا ضامن ہو۔

اگرچہ یہ کام بڑا صبر آزما ہے۔ لیکن کرنے کا کام یہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے اپنی پالیسی اور پروگرام میں، افراد و جماعت کی تربیت کے ساتھ دعوت و تبلیغ اور اسلام کی اشاعت کو اولین اہمیت دی ہے در اصل یہی وہ کام ہے جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کرنے آئے تھے۔

(یہ پوری قرارداد "جماعت اسلامی ہند کی مجلس شوریٰ کی قراردادیں" میں شائع ہو چکی ہے)

مسئلۂ تعلیمات اور جماعت اسلامی ہند

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کو تعلیم کے مسئلے پر بھی مسلم ماہرین تعلیمات اور تعلیم و تربیت کے اربابِ فکر کو متوجہ کرنے کا موقع ملتا رہا تھا۔ انھوں نے سب سے پہلے اپریل ۱۹۳۶ء میں "مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور ہمارے نظامِ تعلیم کا بنیادی نقص" کے زیر عنوان اپنی ایک مبسوط تحریر کے ذریعہ توجہ دلائی کہ "دینیات اور علوم اسلامیہ کے ناقص طرزِ تعلیم کی اصلاح اور یونیورسٹی کے طلبہ میں حقیقی اسلامی فکر پیدا کرنے کے لیے کیا کیا جائے؟" آپ نے لکھا کہ جہاں تک جدید علوم و فنون اور ادبیات کی تعلیم کا تعلق ہے حکومت کی قائم کی ہوئی یونیورسٹیوں میں اس کا بہتر سے بہتر انتظام موجود ہے۔ کم از کم اتنا ہی بہتر جتنا خود علی گڑھ میں ہے۔ محض اس غرض کے لیے مسلمانوں کو اپنی ایک الگ یونیورسٹی قائم کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ ایک مستقل قومی یونیورسٹی قائم کرنے کا تخیل جس بنا پر مسلمانوں میں پیدا ہوا اور جس بنا پر اس تخیل کو مقبولیت حاصل ہوئی وہ صرف یہ ہے کہ مسلمان جدید علوم سے استفادہ کرنے کے ساتھ "مسلمان" بھی رہنا چاہتے ہیں۔

آپ نے مزید فرمایا:

اگر فی الواقع علی گڑھ یونیورسٹی کو مسلم یونیورسٹی بنانا ہے تو سب سے پہلے مغربی علوم و فنون پر نظر ثانی کیجیے۔ ان علوم کو جوں کا توں نہیں لیتا ہے طلبہ پر تعلیم کا اثر جس قدر ہوتا ہے وہ مغربی طرز پر ایمان لاتے چلے جاتے ہیں۔ تنقید کی صلاحیت ان میں پیدا نہیں ہوتی تمام مغربی علوم کو طلبہ کے سامنے تنقید کے ساتھ پیش کیجیے اور یہ تنقید خالص اسلامی نقطۂ نظر سے ہو تا کہ ہر قدم پر ان کے ناقص اجزاء کو چھوڑتے جائیں اور صرف کارآمد حصوں کو لیتے جائیں۔

مزید یہ کہ اس کے ساتھ علوم اسلامیہ کو بھی قدیم کتابوں سے جوں کا توں نہ لیجیے بلکہ ان

میں سے متاخرین کی آمیزشوں کو الگ کر کے دائمی اصول اور حقیقی اقدار اور غیر متبدل قوانین لیجیے۔ اور ان کا تدریج تدبر پیدا کیجیے۔ تعلیمی اسٹاف میں جو ملاحدہ اور متجددین بھر گئے ہیں ان کو رخصت کیجیے۔ خوش قسمتی سے ہندوستان میں ایک جماعت ایسے لوگوں کی پیدا ہو چکی ہے جو علوم جدیدہ میں بصیرت رکھنے کے ساتھ دل و دماغ کے ساتھ پورے مسلمان ہیں۔ ان بکھرے ہوئے جواہر کو جمع کیجیے۔"

اس کے بعد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی "مجلس اصلاح نصاب دینیات" کے استفسارات کے جواب میں مولانا نے ایک تفصیلی نوٹ بھیجا اور نصاب کے باقاعدہ خاکے کی صورت میں رہنمائی کی۔ (یہ خاکہ "مسلمانوں کے لیے جدید تعلیمی پالیسی اور لائحۂ عمل" کے عنوان سے شائع ہوا۔)

نیا نظام تعلیم

مولانا مودودیؒ نے ایک خطبہ "نیا نظام تعلیم" کے عنوان پر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی انجمن اتحاد طلبہ کے اجلاس میں پڑھا۔ مختصر تمہید کے بعد مولانا نے فرمایا:

"امامت خواہ آگ کی طرف لے جانے والی ہو یا جنت کی طرف۔ بہر حال اس گروہ کا حصہ ہے جو سمیع و بصیر و فواد کو تمام انسانی قوتوں سے بڑھ کر استعمال کرے۔ یہ انسان کے حق میں اللہ کا بنایا ہوا ضابطہ ہے۔ کوئی گروہ خواہ خدا شناس ہو یا خدا ناشناس بہر حال وہ یہ شرط پوری کرے گا تو دنیا کا امام بن جائے گا اور نہ کرے گا تو مقتدی ہی نہیں بلکہ اکثر حالات میں مطیع بھی نہ بن سکے گا۔ مزید یہ کہ دنیا کی واحد خدا شناس جماعت ہونے کی حیثیت سے آپ پر جو فرض عائد ہوتا ہے اس کو آپ انجام نہیں دے سکتے، جب تک یہ کام نہ کریں اگر محض ایک انسانی گروہ ہونے کی حیثیت سے مطلق امام بننے کا سوال ہوتب تو آپ کو کسی اصلاح تعلیم یا تجدید نظام تعلیم کی ضرورت نہیں سیدھا راستہ کھلا ہوا ہے کہ علی گڑھ یونیورسٹی یا مصر و ایران کی کسی سرکاری یونیورسٹی کے میدان میں پیش قدمی فرمایئے برخلاف اس کے آپ خدا شناس گروہ ہیں۔ خدا کی اطاعت پر آپ کی اطاعت کی بنیاد ہے رہی خدا ناشناسی کی امامت تو اگر وہ ترک یا ایرانی یا مصری یا ہندوستانی کی ہو تو وہ بھی اسی طرح مٹا دینے کے قابل ہے جس طرح فرنگی یا جاپانی کی اور خدا شناسی کی بنیاد پر جو امامت ہو وہی مطلوب ہے خواہ اس کے علمبردار ہندی ہوں یا فرنگی ہوں یا کوئی اور......"

انقلاب امامت کے لیے انقلاب تعلیم ناگزیر ہے

مولانا نے آگے اس تجزیہ کے بعد فرمایا:

ائمہ کی امامت میں رہ کر خدا شناسی و خدا پرستی کا نظریہ رکھنے والا ملک زندہ نہیں رہ سکتا جو نظام تعلیم محض پرانے علوم کی حد تک اب محفوظ ہے اس میں یہ طاقت ہرگز نہیں کہ امامت کے لیے اتنے بڑے انقلاب کے لیے آپ کو تیار کر سکے جو نظام تعلیم تمام علوم کو اپنی تربیت اور اسی زاویہ نظر سے دیکھتا ہے وہ خدا ناشناس ائمہ کی تربیت اور ان کا زاویہ نظر ہے اور جو اس تمدنی مشین کا پرزہ بننے کے لیے انسانوں کو تیار کرتا ہے، جو ائمہ ضلال نے بنائی ہے وہ دراصل الحاد کا مجرب نسخہ ہے۔ اصلاح تعلیم کا یہ لائحہ عمل کہ اسلامی کے ساتھ نئے علوم کا جوڑ لگایا جائے یہ بھی انقلاب امامت کے لیے آپ کو تیار نہیں کر سکتا، اس لیے یہ فلسفہ، سائنس و تاریخ، سیاسیات، معاشیات اور دوسرے علوم جو اس وقت مدون و مرتب صورت میں آپ کو ملتے ہیں وہ سب کے سب خدا ناشناس لوگوں کی فکر و تحقیق کا نتیجہ ہیں۔"

مولانا مزید فرماتے ہیں:

"اگر آپ ایک طرف پرانے علوم کو ایک ترتیب کے ساتھ اپنے نئے علوم کو کچھ خاص ترتیب کے ساتھ جو اس وقت پائی جاتی ہے ملا کر پڑھیں گے تو ان دو متضاد طاقتوں کے میل سے عجیب عجیب مرکبات پیدا ہوں گے.........."

اپنے خطبہ کے آخر میں مولانا نے فرمایا:

(نئے نظام تعلیم کے لیے) اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ اس نظام تعلیم سے ہٹ کر ایک دوسرا نظام تعلیم بنایا جائے جس کا نقشہ ابتدائی تعلیم سے لے کر انتہائی تعلیم پر محیط ہو۔

نئے نظام تعلیم کا خاکہ

مولانا نے نئے نظام تعلیم کا خاکہ پیش کیا جس کی درج ذیل خصوصیات بیان فرمائیں:

پہلی خصوصیت

اس نئے نظام میں دینی اور دنیوی علوم کی انفرادیت کو مٹا کر دونوں کو یک جان کر دیا جائے۔

دوسری خصوصیت

دوسری اہم خصوصیت اس نظام تعلیم میں یہ ہونی چاہیے کہ اس میں ہر طالب علم کو مجموعہ علوم بنانے اور تکمیل کے بعد ہر ایک کو مولانا اور ہر ایک کو جملہ مسائل میں ہر طرح کا مجاز قرار دینے کا وہ طریقہ جو اب تک رائج ہے ختم کر دیا جائے۔ بہتر یہ ہے کہ پہلے آٹھ یا دس سال کا کورس ایسا رکھا جائے کہ ایک بچے کو دنیا اور انسان اور انسانی زندگی کے متعلق جتنی معلومات، کم سے کم ضروری ہیں، وہ اس کو خالص اسلامی نقطۂ نظر سے دی جائیں اس کے ذہن میں کائنات کا وہ تصور بیٹھ جائے جو مسلمان کا تصور ہونا چاہیے۔ عملی زندگی کے متعلق وہ تمام معلومات حاصل ہو جائیں جنکی ہر ایک آدمی کو ضرورت ہوتی ہے۔ اسے اپنی مادری زبان بھی آ جائے، عربی زبان بھی وہ اتنی جان لے کہ آگے مزید مطالعہ کے لیے اسے مدد مل سکے اور کسی ایک جدید زبان سے بھی واقف ہو جائے تا کہ معلومات کے وسیع ذخیرے سے فائدہ اٹھا سکے جو ان زبانوں میں موجود ہے۔

ایک شعبہ فلسفہ اور علوم عقلیہ کے لیے مخصوص ہونا چاہیے۔ دوسرا شعبہ تاریخ کا ہونا چاہیے، جس میں قرآن کا فلسفۂ تاریخ، مقصد مطالعہ تاریخ طالب علم کے ذہن نشین کرایا جائے۔

ایک اور شعبہ علوم عمران (Social Sciences) کا ہونا چاہیے۔ سائنس کی مختلف شاخوں کے چند شعبے الگ ہونے چاہئیں، جن میں قرآن کی رہنمائی سے فائدہ اٹھا کر نہ صرف اب تک کی جمع شدہ سائنٹفک معلومات کا جائزہ لیا جائے بلکہ آثار فطرت کے مزید مشاہدے اور قانون طبعی کی مزید دریافت کا کام ان ہی خطوط پر کیا جائے جو قرآن نے کھینچ دیے ہیں۔

تیسری خصوصیت

آخری مگر نہایت اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تعلیم دینے والے اور تعلیم پانے والے دونوں کے سامنے ایک متعین اور واضح مقصد زندگی اور منتہائے سعی و عمل ہوگا۔ یعنی یہ کہ ان سب کو مسلک خدا پرستی کی امامت دنیا میں قائم کرنے کے لیے جہاد کبیر کرنا ہے..........''

مجلس تعلیمی دارالاسلام ۱۹۴۴ء

مولانا کے تعلیمی نقطۂ نظر پر غور کرنے کے سلسلے میں کچھ عملی اقدامات طے کرنے کے لیے

حسب اعلان ۲۳ رشعبان ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۴ راگست ۱۹۴۴ء کو دارالاسلام میں مجلس تعلیمی کا اجلاس منعقد ہوا۔

مولانا مودودیؒ نے اجلاس کا افتتاح کرتے ہوئے فرمایا:

''ہمیں صرف یہی نہیں کرنا ہے کہ نوخیز نسلوں کی علمی و ذہنی تربیت کا انتظام اپنے نصب العین کے مطابق کریں بلکہ اس کے ساتھ ان کی اخلاقی و عملی تربیت کا بھی بندوبست کرنا ہے''

ہمارے سامنے اس وقت صرف یہ کام ہے کہ دنیا میں اخلاقی، فطری اور عمرانی انقلاب برپا کرنے کے لیے موزوں لیڈر اور کارکن تیار کریں۔ اس کام کے لیے ڈاکٹری یا انجینیری یا سائنس کے ماہرین کی ضرورت نہیں ہے بلکہ صرف ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو دین اسلام اور علوم اجتماعیہ (Social Sciences) میں اعلیٰ درجہ کی بصیرت رکھتے ہوں'' فی الحال ہمیں اعلیٰ تعلیم کے صرف پانچ شعبے قائم کرنے ہیں ان ہی شعبوں کو پیش نظر رکھ کر ہمیں ابتدائی اور ثانوی تعلیم کا انتظام کرنا ہے تا کہ ہم ان پانچوں شعبوں کے لیے افراد تیار کر سکیں''

تعلیم کا معیار مطلوب

مولانا نے اعلیٰ، ثانوی اور ابتدائی تعلیم کا الگ الگ معیار مطلوب پیش کرتے ہوئے فرمایا:

اعلیٰ تعلیم کا معیار: (علمی) فلسفہ، تاریخ، معاشیات، قانون، علوم اسلامی
(ذہنی و اخلاقی) علمی معیار کے ساتھ جو لوگ متعلقہ شعبوں میں تیار ہوں انھیں حسب ذیل اوصاف سے آراستہ کیا جانا چاہیے:

۱۔ وہ فکر و نظر اور ذہنیت کے اعتبار سے پورے مسلمان ہوں، اور اسلام کے لیے جدوجہد کا گہرا جذبہ رکھتے ہوں۔

۲۔ دین میں تفقہ اور مجتہدانہ بصیرت رکھتے ہوں، وہ تمام استعدادیں ان کے اندر پوری طرح نشوونما پائیں، جو دنیا کے بگڑے ہوئے نظام تمدن و اخلاق کو توڑ کر ایک نئے نظام کے لیے حالات کو سازگار بنا سکیں۔

۳۔ ان کی دماغی تربیت اتنی اعلیٰ درجے کی ہو کہ اپنے زمانے کی علمی دنیا پر ان کی ریاست کا سکہ بیٹھ جائے۔

۴۔ وہ ان اخلاق اوصاف رذیلہ سے پاک ہوں جنھیں شرک ونفاق کی صفات قرار دیا گیا ہے اور جنھیں قرآن وحدیث میں ایمان کی ضد، اسلام کے منافی اور صالح سوسائٹی کے لیے غیر موزوں ٹھہرایا گیا ہے۔ اس کے برعکس ان میں انفرادی واجتماعی طور پر وہ اخلاق اوصاف پرورش کیے جائیں جو قرآن وحدیث میں عباداللہ، متقین، صالحین، فائزین اور مصلحین کے اوصاف بتائے گئے ہیں۔

۵۔ وہ دنیا میں ہر میدان کے مرد ہوں کسی راہ میں عاجز ودرماندہ نہ ہوں اور زمین کو پیٹ کر ہر جگہ سے اپنا رزق حاصل کرنے کی قابلیت ان میں موجود ہو۔

ثانوی تعلیم کا معیار مطلوب

۱۔ عربی زبان اور کوئی جدید زبان مثلاً انگریزی اس حد تک کہ تحقیقی مطالعہ کے لیے کافی ہو سکے۔

۲۔ قرآن کے تحقیقی مطالعہ کی ابتدائی تیاری

۳۔ اصول حدیث اور حدیث کی کسی مستند کتاب کا تحقیقی مطالعہ، جس سے طالب علم کے لیے آیندہ زیادہ گہرے تحقیقی مطالعہ کی راہیں کھل جائیں۔

خصوصی شعبے

ان پانچ شعبوں (Faculties) کی مناسبت سے ہونے چاہئیں جو اعلیٰ تعلیم کے لیے تجویز کیے گئے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے مبادی اور مددگار علوم پڑھائے جائیں جن کا اعلیٰ تعلیم کے مرحلے میں تحقیقی مطالعہ کرنا ہے۔

۲۔ شعبۂ تاریخ کے لیے تاریخ عمرانیات اور سیاسیات کا ایسا کورس جس سے طلبہ کو تاریخی تحقیق اور تمدن ومتعلقات تمدن کی گہرائیوں میں اترنے کا موقع ملے اور وہ ان سے فی الجملہ روشناس ہو جائیں۔

تعلیم کے مسئلے پر، تعلیمات نامی کتابچے میں اسلامی نظریہ تعلیم کے مطابق متعلقہ مقاصد، اصول اور اس کا تفصیلی خاکہ پیش کیا گیا تھا اس خاکے کو سامنے رکھ کر ایک ابتدائی درس گاہ کے قیام کی ضرورت تقسیم ہند سے بہت پہلے ہی محسوس کی جا رہی تھی۔ تقسیم ہند کے بعد جماعت نے مرکز ملیح آباد میں منتقل کرلیا تو مجلس شوریٰ کے اجلاس منعقدہ ۲۷ تا ۲۹ اگست ۱۹۴۸ء میں اس مسئلے پر غور ہوا اور طے پایا کہ آئندہ سال ۱۹۴۹ء کے شروع میں ابتدائی درس گاہ قائم کرلی جائے۔

مجلس شوریٰ کے اسی اجلاس میں درس گاہ کے دستور اساسی اور اس کے نصاب کے لیے کمیٹیاں بنائی گئیں۔ دستور کمیٹی مولانا صدرالدین صاحب اصلاحی، جناب محمد عبدالحیٔ صاحب اور محمد شفیع مونس پر مشتمل تھی۔ امیر جماعت مولانا ابواللیث صاحب ندوی کی ہدایت پر محمد شفیع مونس نے اجلاس شوریٰ کے لیے دستور کا ایک خاکہ پہلے مرتب کرلیا تھا۔ کمیٹی نے اسے آخری شکل دے کر اجلاس شوریٰ کے ختم ہوتے ہی امیر جماعت کے حوالے کر دیا۔

دوسری کمیٹی جو ترتیب نصاب کے لیے مقرر کی گئی تھی اس میں دستور کمیٹی کے مذکورہ تین اصحاب کے علاوہ جناب افضل حسین صاحب اور جناب محمد یوسف صاحب (قیم جماعت) کو بھی شامل کیا گیا۔ حسب ہدایات اس کمیٹی نے اگلے ماہ کے پہلے عشرے میں باہمی مشورے سے اپنا کام مکمل کر کے رپورٹ مرکز کے حوالے کر دی۔

محمد شفیع مونس اور جناب افضل حسین صاحب مرکزی مجلس شوریٰ کے فیصلے کے مطابق دسمبر ۱۹۴۸ء کے آخری عشرے میں ملیح آباد پہنچ گئے اور یکم جنوری ۱۹۴۹ء کو جماعت کے مرکز واقع محمود نگر ملیح آباد لکھنو میں مرکزی درس گاہ جماعت اسلامی کے نام سے ابتدائی درس گاہ قائم ہو گئی۔ پھر اس کے چند ماہ کے بعد جولائی ۱۹۴۹ء میں رام پور منتقل کر دی گئی۔ اور جماعت کی رام پور درس گاہ کو بھی مرکزی درس گاہ میں ضم کر دیا گیا یہ درس گاہ جناب افضل حسین صاحب (ناظم) محمد شفیع مونس، جناب عبدالوحید خاں اور جناب سید شوکت علی نیازی صاحب چار اساتذہ پر مشتمل تھی۔ طلبہ کی نگرانی اور دیگر ضروریات کے لیے دو اتالیق بھی مقرر کیے گئے۔ اس وقت طلبہ کی کل تعداد پچپن ۵۵ تھی۔ اس کے بعد اسلامی نقطۂ نظر سے اسلامی تعلیمات کے مسئلے پر مجلس شوریٰ میں وقتاً فوقتاً غور ہوتا رہا اور فیصلے کیے جاتے رہے، اور ایک اہم بات یہ نوٹ کی گئی۔

☆ جماعت اسلامی جس خدا پرستانہ نظریۂ حیات کی تبلیغ واشاعت کے لیے قائم کی گئی

ہے اس کے لحاظ سے یہ ضروری ہے کہ تعلیم کے غلط اثرات کی روک تھام اور اس کے صحیح اثرات کی اشاعت کی جائے۔

☆ ابتدائی تعلیم کی ترویج و اشاعت کے سلسلے میں ہم ہر اس جماعت کے ساتھ تعاون کرنے کے لیے تیار ہیں، جس کا بنیادی مقصد اور طریق کار ہمارے مقصد اور طریق کار سے مختلف نہ ہو۔

☆ نصاب تعلیم کے مطابق درسیات کی تیاری اور اس سلسلے میں جو کتابیں شائع ہو چکی ہیں یا آئندہ شائع ہوں گی ان کو مدارس و مکاتب کے علاوہ بھی عام کرنا ہے۔

تعلیم کے مسئلے پر شروع سے بالکل مختلف، جماعت کی جانب سے جو کوششیں کی جاتی رہیں، جماعت کی طرف سے جو ہدایات جاری کی گئیں ان کا ایک مثبت اثر یہ ہوا کہ ملک کی مختلف ریاستوں اور علاقوں میں جماعت کے متوسلین اور ہم خیال اداروں نے اپنے اپنے اہتمام میں تعلیمی اداروں کے قیام و اجرا کی کوششیں شروع کیں۔ اتر پردیش، مہاراشٹر اور کچھ دوسری ریاستوں میں طلبہ وطالبات کو جونیر ہائی اسکول اور ہائی اسکول کے امتحانات پاس کرائے گئے اور اس کے بعد عربی درجات کو آگے بڑھایا گیا تاکہ عالمیت وفضیلت تک تعلیم کے بعد وہ سند فراغت حاصل کر سکیں اس کے بعد اداروں مثلاً جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ، جامعۃ الصالحات رام پور، جامعہ اسلامیہ تلکھنا سدھارتھ نگر کے فارغ طلبہ کے داخلے کے لیے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی، لکھنؤ یونیورسٹی اور بنارس یونیورسٹی میں دروازہ کھل گیا اور اسی طرح جامعہ دارالسلام عمر آباد، ندوۃ العلماء لکھنؤ، اور دارالعلوم دیوبند کے علاوہ کچھ اہم اداروں کے فارغ التحصیل طلبہ کو یونیورسٹیوں میں داخلے کی سہولت حاصل ہو گئی۔

جماعت کے سامنے کام یہ تھا کہ حتی الوسع وہ اسلام کی عملی شہادت بھی دے اور قولی بھی۔ یہ ایک ناگزیر ضرورت تھی کہ ایسے افراد تیار کیے جائیں جو مطلوبہ صفات سے آراستہ ہوں اور جو آج کی دنیا کے سامنے اسلام کی ترجمانی مطلوبہ انداز میں کر سکیں۔ چناں چہ اپریل ۱۹۴۵ء میں اس مقصد کے لیے تعلیم کا ایک درمیانی قسم کا عارضی نظام قائم کیا گیا۔ شروع میں حالات کی ناسازگاریاں عملی قدم اٹھانے میں مانع رہیں۔ پھر بھی ۱۹۵۰ء میں اللہ کا نام لے کر رام پور میں ایک تعلیمی ادارہ "ثانوی درس گاہ" کے نام سے قائم کیا گیا۔ تقسیم کے بعد جماعت اسلامی ہند

کے پہلے کل ہند اجتماع میں اس ادارے کے قیام کا پس منظر اور اس کی ضرورت واہمیت کا تعارف ان لفظوں میں کرایا گیا تھا:

"نظم جماعت قائم ہونے کے بعد ہی علی گڑھ یونیورسٹی اور دیگر مقامات کے چند جدید تعلیم یافتہ طلبہ نے ثانوی تعلیم کی اہمیت کے پیش نظر اس بات کی خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ اپنی تعلیم کا رخ بدلنا چاہتے ہیں۔ مرکز کے رام پور منتقل ہونے کے بعد ربیع الاول ۶۸ھ میں ثانوی تعلیم کے کام کو بھی خدا کا نام لے کر شروع کر دیا گیا۔"

(ماخوذ از روداد اجتماع رام پور ص ۱۳۲)

اس درس گاہ کے قیام کی غایت یہ تھی کہ اس کے ذریعہ اسلام کے ایسے کامیاب ترجمان تیار ہوں جو تحریک اسلامی کے لیے تحقیقی وعلمی کام کر سکیں، قدیم وجدید ہر حلقے میں تحریک کے لیے موزوں کارکن ثابت ہو سکیں اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہ یہ لوگ اس کام کے لیے اپنے جائز راحت و آرام اور اپنی جائز دنیوی امنگوں کو بھی ضروری حد تک قربان کرنے کے لیے تیار ہوں۔ محض اسلام کی خدمت، دین کی سربلندی، حق کی شہادت اور آخرت کی فلاح اور رضائے الٰہی کی خاطر۔

شرائط داخلہ

شرائط داخلہ کے سلسلے میں طے پایا کہ اس درس گاہ میں صرف ان ہی خواہش مند امیدواروں کو داخلہ دیا جائے گا جو:

(۱) قیام درس گاہ کے مقصد سے پوری طرح متفق ہوں اور تحریک اسلامی سے گہرا تعلق اور عملی رابطہ رکھتے ہوں۔

(۲) بی اے کے مساوی علمی صلاحیت اور قوت مطالعہ رکھتے ہوں، یا کم از کم یہ کہ ان میں اتنی استعداد ہو کہ وہ علوم جدیدہ میں سے کسی فن کا انگریزی میں بطور خود مطالعہ کر سکتے ہوں اور بہت اچھا علمی ذوق اور صلاحیت رکھتے ہوں۔

مدت تعلیم

درس گاہ کا چار سالہ نصاب تعلیم ہر سال، آخری سال کو چھوڑ کر، دو میقاتوں پر مشتمل

ہوگا اور ہر میقات کا الگ الگ مقررہ نصاب ہوگا۔ پہلی میقات ششماہی امتحان پر اور دوسری میقات سالانہ امتحان پر ختم ہوگی۔

نصاب تعلیم:

(۱) عربی اور دینی علوم (۲) علوم جدیدہ

دری قسم کا نصاب عربی اور دینی علوم پر مشتمل تھا، جس کی باضابطہ تدریس ہوتی تھی۔ رہا دوسرا جز، تو اس کی نوعیت اصلاً مطالعاتی تھی، یعنی طلبہ کو متعلقہ کتابوں کا، ایک پروگرام کے مطابق، اپنے طور پر مطالعہ کرنا ہوتا تھا، جس کے سلسلے میں ان کی صرف ضروری مددورہنمائی کی جاتی تھی۔

جولائی ۱۹۶۰ء کے اجلاس شوریٰ میں اب تک کے حالات وتجربات کے پیش نظر ثانوی درس گاہ کی ضرورت وافادیت کے مسئلے پر غور ہوا۔ جس مقصد کے لیے یہ درس گاہ قائم ہوئی تھی اس سے تو عام طور پر ارکان شوریٰ نے اتفاق ہی ظاہر کیا لیکن تعداد طلبہ کی کمی اس میں کسی خاص اضافے کی توقع نہ ہونے اور اس کے مقابلے میں جو مصارف ہو رہے تھے، ان کے پیش نظر اس نظم کا برقرار رہنا مشکل تھا۔ یہ طے کیا گیا کہ موجودہ طلبہ میں سے جو اپنی دینی تعلیم جاری رکھنے کے خواہش مند ہیں انھیں تاتکمیل تعلیم وظیفہ دیا جاتا رہے۔

اگر کچھ اور ایسے ذہین اور تعلیم یافتہ نوجوان مل سکتے ہوں جو ضروری علم دین کے حصول کے بعد جماعت کی ان تصنیفی ضروریات کے لیے کارآمد ہو سکتے ہیں جو ثانوی درس گاہ کے قیام میں مدنظر تھیں تو ان کو دینی تعلیم کے لیے وظیفہ دیا جاسکتا ہے۔ پھر ۱۹۶۰ء میں جب جماعت کا مرکز دہلی منتقل ہوگیا تو ثانوی تعلیم کے اس ادارے کو ختم کردیا گیا۔

ثانوی درس گاہ کے اساتذہ میں مولانا عبدالودود ندوی صاحب، مولانا جلیل احسن ندوی صاحب اور مولانا سید احمد عروج قادری صاحب شامل تھے اور جزوی طور پر مولانا صدرالدین اصلاحی صاحب اور مولانا ابواللیث صاحب سے بھی طلبہ کو استفادے کا موقع ملتا رہا۔

(ثانوی تعلیم کے اس نظام سے جن طلبہ نے پورا استفادہ کیا ان میں ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی، ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری، ڈاکٹر حمید اللہ صدیقی، ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی، قاضی اشفاق

احمد اور جناب راؤ عرفان احمد خاں کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں، جو زندگی کے مختلف میدانوں میں قابل لحاظ خدمات انجام دے رہے ہیں۔)

جماعت کا نظام تربیت

جماعت اسلامی ہند نے اپنی تاسیس کے وقت سے ہی اپنے پروگرام کے دو نکتوں کو پوری اہمیت کے ساتھ سامنے رکھا ہے۔ پہلا نکتہ تربیت وتنظیم، جسے سب سے اہم اور اولین اہمیت کا حامل قرار دیا گیا ہے۔ یعنی یہ کہ جماعت کے ارکان وکارکنان کی ذہنی وفکری، علمی وعملی اور دینی واخلاقی ہمہ جہتی تربیت کا اہتمام اور جماعت کے داخلی استحکام پر خصوصی توجہ مرکوز کی جائے۔

اس مقصد کے لیے تقسیم ملک سے پہلے دارالاسلام پٹھان کوٹ میں اس کا اہتمام کیا گیا تھا اور مختلف علاقوں اور مقامات سے ارکان وکارکنان ایک گروپ کی شکل میں اس سے استفادہ کرتے رہے تھے۔ تربیت کے سلسلے میں شروع ہی سے تعلق باللہ اور فکر آخرت پر زیادہ زور دیا جاتا رہا تھا۔

پھر ۱۹۴۶ء میں جب بہار فرقہ وارانہ فساد سے متاثر ہوا تو جناب عبدالجبار غازی صاحب کی رہنمائی میں ایک ایک ماہ کی تربیت کے لیے افراد جماعت وہاں آتے اور استفادہ کرتے رہے۔ خاص طور پر قرآن وحدیث، سیرت اور اسلامی لٹریچر کے انفرادی واجتماعی مطالعہ کا پروگرام رہا۔ زیر تربیت افراد نے علاقے کی فرقہ وارانہ کشیدگی کو دور کرنے اور امن وامان بحال کرنے کی سعی وتدبیر کی گئی اور منتخب افراد کی فہرستیں الگ الگ کرکے انفرادی اور بشکل وفود ملاقات کی گئی۔

تقسیم ملک اور جماعت اسلامی کی تشکیل جدید کے کچھ عرصے بعد جماعت کا مرکز رام پور منتقل ہوا تو اگست ۱۹۵۰ء سے تربیت کا باقاعدہ پروگرام زیر عمل لایا گیا۔ تربیت کے مقاصد، اصول اور پروگرام کے خطوط ونکات مولانا اختر احسن اصلاحی کے مشورے سے طے کیے گئے اور مولانا سید حامد علی صاحب کو تربیت گاہ کا ناظم مقرر کیا گیا۔ امیر جماعت مولانا ابواللیث صاحب اور مولانا صدرالدین اصلاحی صاحب سے بھی وقتاً فوقتاً زیر تربیت رفقاء کو استفادے کا موقع ملتا رہا۔

نظام تربیت

اس ضرورت کے پیش نظر ارکان وکارکنان کے حلقہ وار تربیتی نظام قائم کیے گئے۔ البتہ امراء حلقہ جات اور وقتاً فوقتاً حسب موقع نظمائے علاقہ جات کے لیے بھی مرکز میں اس کا پروگرام رکھا گیا۔

تربیت کا تفصیلی پروگرام طے کیا گیا اور اس کے بعد جماعت کی ہر نئی میقات کے شروع میں اس پروگرام پر نظر ثانی اور حسب حال کچھ لفظی ترمیم کی جاتی رہی۔ اب میقات رواں ۱۹۹۵ء کا نظر ثانی شدہ پروگرام اس طرح ہے:

اللہ تعالیٰ کی رضا اور فلاح آخرت کے حصول کو نگاہ میں رکھ کر کتاب وسنت کی ہدایات کے تحت حسب اہمیت افراد جماعت کی ہمہ جہتی تربیت اور داخلی استحکام کے لیے جماعت حسب ذیل امور پر توجہ مرکوز رکھے گی۔

۱۔ جماعت کے ہر کارکن کا اپنی حد تک علم دین حاصل کرنا، اسلام اور جاہلیت کے فرق سے باخبر اور حدود اللہ سے واقف ہونا اور اپنی ہمہ جہتی تربیت پر خود متوجہ رہنا۔

۲۔ نظم جماعت کا مقامی اکائیوں سے لے کر مرکز جماعت تک ہر سطح پر اپنے کارکنوں کی رہ نمائی، مدد اور نگرانی کرنا اور جماعت کی تمام مقامی اکائیوں پر اس طرح نگاہ رکھنا کہ ان کے احتساب جائزہ کے ماہانہ اجتماعات کے ساتھ منعقد ہوتے رہیں۔

۳۔ مرکز اور تنظیمی حلقہ جات کے ذمے داروں کا اپنے ساتھی ارکان جماعت، بالخصوص امراء ونظماء سے حسب موقع وضرورت انفرادی ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھنا اور ان کے حالات ومعاملات سے باخبر رہنا۔

۴۔ ذمہ داروں کا جماعت کے افراد اور اس کی تنظیمی اکائیوں کے قابل اصلاح پہلوؤں پر بلا تاخیر توجہ کرنا، داخلی استحکام کے لیے مناسب تدابیر اختیار کرنا اور حسب ضرورت تطہیر کے عمل کو موثر اور آسان بنانا۔

۵۔ مرکز جماعت کا، امرائے حلقہ جات کی اور حسب موقع وسہولت نظمائے علاقہ کی بھی تربیت کے پروگرام روبہ عمل لانا۔

۶۔ امراء حلقہ جات کا اپنے امرائے مقامی اور حسب سہولت کارکنان اور متفقین کے نظماء کے لیے تربیتی اجتماعات کا نظم کرنا۔

۷۔ (الف) ارکان حلقہ کے لیے حلقہ کی سطح پر اور حسب ضرورت علاقہ جاتی سطح پر اجتماعات کا نظم کرنا۔ (ب) ارکان جماعت کا کل ہند سطح کا اجتماع منعقد کرنا۔

۸۔ مخصوص صلاحیتوں کو پیش نظر رکھ کر تنظیمی حلقوں کی سطح پر یا حسب سہولت علاقہ جاتی سطح پر فکری وعملی، دعوتی وتنظیمی، تقریری اور صحافتی وتصنیفی نیز فنی صلاحیتوں کی نشو ونما کے لیے منتخب افراد کو تربیت کے مواقع فراہم کرنا۔

۹۔ دین اور تحریک اسلامی کے خدمت گار اسلامی اداروں کے ذمے داروں کو اپنے کارکنوں کے اندر دینی صفات اور تحریکی ذہن ومزاج پیدا کرنے اور مفوضہ فرائض کو انجام دینے کی صلاحیت پروان چڑھانے پر متوجہ رکھنا۔

۱۰۔ اپنی دعوت کے وسیع تعارف، مختلف امور ومسائل میں جماعت کے نقطۂ نظر کی وضاحت اور اس کے میقاتی پروگرام کے عمل درآمد میں لوگوں کو تعاون پر آمادہ کرنے کے لیے منطقہ وار (چند حلقوں کو ملا کر) یا حلقہ وار اجتماعات عام کا انعقاد کرنا اور ان مواقع پر بھی ارکان کے اجتماعات کا انعقاد کرنا۔

تقسیم ملک کے حالات اور مسلمانانِ ہند کو نقل مکانی سے باز رکھنے کی تلقین

آزادیٔ ہند سے پہلے کانگریس اور مسلم لیگ کی رہنمائی میں قومی بنیادوں پر جو تحریکیں چل رہی تھیں، ان کے سلسلے میں "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" اور جماعت کے لٹریچر کی بعض دوسری کتابوں میں صراحت و تکرار کے ساتھ یہ واضح کیا جاتا رہا تھا کہ ان تحریکوں نے جو قوم پرستانہ رخ اختیار کیا ہے، اس کے نتائج سے باشندگانِ ملک کو کس طرح کا سامنا ہوگا۔ خاص طور پر تقسیم ہند کے بعد ملک کی مسلم آبادی جن حادثات سے دوچار ہو جائے گی وہ ان کے لیے کس درجہ پریشانی کا باعث ہوں گی مثلاً: مولانا مودودیؒ نے اپنی ایک اہم تقریر "بناؤ اور بگاڑ" میں کہا تھا:

> "یہ وقت جس کے آنے کی میں خبر دے رہا ہوں، اب بالکل قریب آ گیا ہے۔ جونہی کہ ہندوستان کی سیاست کا موجودہ دور ختم ہو کر نیا دور شروع ہوا اقلیت کے علاقوں میں مسلمانوں کو اپنی واقعی یاس انگیز پوزیشن کا عام احساس شروع ہو جائے گا۔ یہ ایک بڑی تحریک کے انہدام کا وقت ہوگا، جو تحریک خلافت کے انہدام سے کئی گنا زیادہ خطرناک ہوگا۔ تحریک خلافت کی ناکامی نے مسلمانوں پر جو جمود و انتشار طاری کیا تھا وہ اگرچہ نہایت نقصان دہ تھا مگر مہلک نہ تھا۔ اب اگر وہ کیفیت کہیں پھر طاری ہوئی تو قطعاً مہلک ثابت ہوگی۔ اپنے اس وقت تک کے رہنماؤں سے مایوس ہو کر کوئی صحیح رہنمائی اور کوئی شعاعِ امید اگر مسلمانوں نے نہ پائی تو ان پر گھبراہٹ اور طوائف الملوکی مسلط ہو جائے گی۔"

چناں چہ کچھ ایسا ہی ہوا تقسیم ملک کے وقت ملک کے حالات میں غیر معمولی تبدیلی پیدا ہوگئی، اس نے لوگوں کو سخت پریشانی میں مبتلا کر دیا۔ جہاں تک پنجاب کا تعلق ہے تقسیم ملک کے فیصلے کے مطابق یہ ریاست بھی مشرقی پنجاب اور مغربی پنجاب دو حصوں میں تقسیم ہوگئی اور جہاں عملاً تبدیلیٔ آبادی کی صورت پیدا ہوگئی۔ رہے ہندوستان کے باقی علاقے تو اگرچہ بہت بڑی حد تک لوگوں نے اللہ کے بھروسے پر صبر و استقلال کا ہی مظاہرہ کیا لیکن اس کے باوجود ملک کی مسلم آبادی کا ایک قابل لحاظ حصہ کچھ اس طرح بھی سوچنے لگا کہ کیا انھیں پاکستان منتقل ہو جانا چاہیے؟ صورت حال کا کھلا تقاضا یہ تھا کہ اس موقع پر مسلمانوں کو سمجھایا جائے اور ان کی ہمت بڑھائی جائے کہ وہ کسی قطعی ناگزیر صورت کے علاوہ نقل مکانی کے بارے میں نہ سوچیں۔ چناں چہ مختلف حضرات نے انھیں متوجہ کرنے کی کوشش کی۔ ان میں جمعیۃ علماء ہند کے اکابر خاص طور قابل ذکر ہیں۔ جہاں تک جماعت اسلامی ہند کا تعلق ہے، اس نے اس سلسلے میں ایک پر وقار مہم چلائی امیر جماعت اسلامی ہند مولانا ابواللیث ندوی نے ماہ نامہ "زندگی" میں مسلسل "اشارات" لکھ کر بھی اس کے لیے فضا بنانے کی کوشش کی، چند اقتباسات نقل کیے جا رہے ہیں:

> "دوسری طرف ہمارا نقطۂ نظر یہ بھی ہے کہ ہندوستان میں رہنے کی بعض صورتیں ایسی ہیں جو جائز ہیں اور بعض ایسی بھی ہیں جن کا اختیار کرنا استحسان یا وجوب کے درجوں میں داخل ہو سکتا ہے مگر اس کے مقابلے میں ترک وطن کی بعض حالتیں ایسی ہیں جن کو ہم مضر اور جاہ کن ہی نہیں بلکہ شرعی حیثیت سے جائز نہیں سمجھتے ہیں۔ مثال کے طور پر جو مسلمان، خوف و ہراس کی کوئی وجہ ہو یا نہ ہو، لیکن وہ اس کے بری طرح متاثر ہیں یا موجودہ حالات میں معاش کی جو پریشانیاں عام طور سے انھیں پیش آ رہی ہیں ان کا یہ غیر معمولی اثر پڑ رہا ہے کہ اس سے نجات حاصل کرنے کے لیے وہ اندازمیں پاکستان بھاگے چلے جا رہے ہیں ہمارے نزدیک یہ ضعف ایمان کی علامت ہے۔" (زندگی رام پور مئی ۱۹۵۰ء)

> "جہاں تک ہمارے رفقائے جماعت کا تعلق ہے کسی سخت آزمائش کے اہل نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ ظرف دیکھ کر لوگوں کے ساتھ معاملہ کرتا ہے۔ انھیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت جو آزمائش درپیش ہے وہ ہلکی آزمائش ہو اور آئندہ اس سے کہیں زیادہ سخت اور مسلسل آزمائشیں پیش آنے والی ہوں۔ کیونکہ ہم جس عظیم

الشان نصب العین کے نام لیوا ہیں اس کا نام لینے کا استحقاق پیدا کرنے کے لیے بھی
اس سے زیادہ سخت آزمائشوں سے گزرنا ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اسلام کا یہ کام جو ہمیں انجام دینا ہے کوئی بچوں کا کھیل
نہیں ہے کہ یوں ہی زحمت و مشقت اٹھائے بغیر انجام پا سکے بلکہ اس کے لیے ایسے
جواں ہمتی کی ضرورت ہوتی ہے اس کام کے لیے جان و مال اور اپنی پوری جسمانی اور
ذہنی قوتیں اور صلاحیتیں قربان کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یوں تو دین کا کام ہمیشہ ہی
دشوار رہا ہے۔ لیکن خود ہم مسلمانوں کے گزشتہ طرز عمل نے اس کام کو ہندوستان میں
دشوار سے دشوار تر بنا دیا ہے۔ قدم قدم پر رکاوٹیں ہیں اور بدگمانیاں ہیں، بدامنیاں
ہیں جن کا مقابلہ کرتے ہوئے ہی آگے قدم بڑھتا ہے۔ ایسی حالت میں اگر ہم اپنی
ذاتی اور شخصی مشکلات کو زیادہ اہمیت دینے لگیں اور دین کی خدمت کے لیے وہ لوگ
بھی آگے نہ بڑھیں جنھوں نے اس کا اپنے خالق و مالک سے شعوری طور سے
عہد و پیمان کیا ہو تو اس کے لیے پھر کون لوگ آگے بڑھیں گے؟ جن کے دل میں دین
کی خدمت کا جذبہ ہو۔ اس کی پروا نہیں ہونی چاہیے کہ ان کی کوششیں کچھ مفید مقصد
ہو سکتی ہیں یا نہیں۔ اصل کام محض اتنا ہے کہ وہ اپنی پوری صلاحیتوں کے ساتھ اس کام
میں لگ جائیں۔ کامیابی و ناکامی تو خدا کے ہاتھ ہے اور بحالات موجودہ ظاہری طور
سے اتنی کامیابی بھی بہت بڑی کامیابی ہے کہ آپ کے قول و عمل سے دنیا کو یہ معلوم
ہو سکتا ہے کہ اسلام کیا ہے اور کیا چاہتا ہے۔ اگر خدانخواستہ ہندوستان میں کروڑوں
کروڑ مسلمانوں کی موجودگی میں اتنا بھی نہیں ہو سکا تو

"وائے گر پس امروز بود فردائے"

(زندگی رام پور اگست و ستمبر ۱۹۵۰ء ص ۳۔۵)

نقل مکانی کی یہ بات ان عام مہاجرین کے بارے میں بھی صحیح ہو سکتی ہے جو نہ
خود کوئی جاہ و شہرت رکھتے تھے اور نہ کسی صاحب جاہ و شہرت سے ان کا کوئی رشتہ تھا،
بس یہ سمجھ کر انھوں نے پاکستان کا رخ کر لیا تھا کہ وہ ایک "اسلامی" ملک ہے جہاں
پہنچ کر وہ ہر فکر و غم سے آزاد ہو جائیں گے۔ اس میں شبہ نہیں کہ شروع شروع میں
فسادات کے بعد جب مہاجرین کے ریلے نے پاکستان کا رخ کیا تھا تو اس وقت وہاں
"انصار" نے ان کا اس طرح استقبال کیا تھا گویا وہ۔ يُؤْثِرُوْنَ عَلَى اَنْفُسِهِمْ

وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (اور وہ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ وہ خود
فقر و فاقہ میں مبتلا ہوں) کا سبق دہرایا جا رہا ہے۔ لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد جب
یہ وقتی جوش ٹھنڈا پڑا تو مہاجرین کو جلد معلوم ہو گیا کہ انھوں نے پاکستان اور پاکستانیوں
کے بارے میں جو توقعات قائم کی تھیں وہ حقیقت سے کتنی دور تھیں۔"

(زندگی جلد سوم مارچ ۱۹۵۰ء ص ۳۔۴)

"اس وقت ہندوستان میں مسلمانوں کی جو تعداد ہے، اس کے پیش نظر بظاہر ان کے
بارے میں یہ بات صحیح معلوم ہوتی ہے کہ ان کا مستقل فیصلہ یہیں رہ کر زندگی گزارنے کا ہے۔ کیونکہ
اگر یہ بھاگنے والے لوگ ہوتے یا ان کے بھاگنے کے لیے مواقع اور سہولتیں ہوتیں تو وہ آج سے پہلے
اس وقت بھاگ چکے ہوتے جب یہاں کے خاص حالات کے تحت اکثر لوگ نقل مکانی کی بات
سوچی جانے لگی تھی۔ لیکن اگر اس وقت انھوں نے بھاگنے کا نام نہیں لیا تو بظاہر یہی سمجھا جا سکتا ہے
کہ وہ اپنے ارادے کی حد تک یقیناً اپنی قسمت ہندوستان کے ساتھ وابستہ رکھنا چاہتے ہیں۔

جماعت کے کل ہند اجتماعات

جماعت اسلامی ہند کے ۱۹۸۱ء تک چھ کل ہند اجتماعات منعقد ہوئے۔ پہلا کل ہند اجتماع ۲۰ تا ۲۲ر اپریل ۱۹۵۱ء میں بمقام کوٹھی سعادت یار خاں رام پور منعقد ہوا۔ دوسرا نومبر ۱۹۵۲ء میں بمقام لنگر کوٹ حیدر آباد، تیسرا ۱۱ تا ۱۴ر نومبر ۱۹۶۰ء میں بمقام پریڈ گراؤنڈ دہلی، چوتھا ۱۰ تا ۱۲ر نومبر ۱۹۶۷ء میں بمقام زیبا باغ حیدر آباد، پانچواں ۱۹۷۴ء میں بمقام دہلی اور چھٹا اجتماع ۱۹۸۱ء میں بمقام وادی ہدیٰ حیدر آباد منعقد ہوا۔

جماعت اپنے پیش نظر مقاصد کے لیے جو معروف ذرائع اختیار کرتی ہے، ان میں ایک اہم ذریعہ اجتماعات کا انعقاد ہے، چھوٹے پیانے پر مقامی، ضلعی اور علاقائی سطح پر تو اجتماعات ہوتے رہتے ہیں، اسی طرح تنظیمی حلقوں کی سطح پر بھی۔ ان کے علاوہ کل ہند اجتماعات بھی کیے جاتے رہے ہیں، ان کے ذریعے پیش نظر مقاصد کو بڑے پیانے پر پوری تیاری کے ساتھ زیادہ موثر انداز میں حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے تاکہ تحریک اور جماعت کو ہر جہت سے دیکھا اور سمجھا جاسکے اور اس کی آواز حسب حال دور و نزدیک مختلف مقامات تک پہنچ جائے۔ تحریک کے اثرات کا جائزہ سامنے آجائے اور خود افراد جماعت کو معلوم ہوتا رہے کہ کس طرح کی مشکلات وموانع درپیش رہے ہیں اور ان پر کس طرح قابو پایا جاسکتا ہے۔

پہلا کل ہند اجتماع بمقام رام پور

یہ اجتماع جناب محمد یوسف صدیقی صاحب کے زیر نظامت ۲۲ر اپریل ۱۹۵۱ء میں بمقام کوٹھی سعادت یار خاں رام پور منعقد ہوا۔ اس وقت تک فضا پر تقسیم ملک کی وجہ سے قدرے

سراسیمگی کے اثرات محسوس ہو رہے تھے۔ اس لیے اخبارات نے ان اندیشوں کا اظہار کیا تھا کہ اجتماع کو برادران وطن اور حکومت ہند پسند کرے گی نہ اسے مسلمانوں کی طرف سے خوش آمدید کہا جائے گا۔ مگر ان اندیشوں کے جواب میں جو بیانات شائع کرائے گئے ان کے خاصی حد تک مثبت اثرات مرتب ہوئے اور اجتماع اچھی فضا میں منعقد ہوسکا۔ قرآن اور حدیث کے درس، امیر جماعت مولانا ابواللیث صاحب ندوی کی افتتاحی و اختتامی تقریر، مولانا حبیب اللہ صاحب چترپوری اور جناب سید حامد حسین صاحب کے دعوتی خطابات، مولانا سید حامد علی صاحب کی تربیتی تقریر بعنوان "تحریک اسلامی اور اس کے مقتضیات"، قیم جماعت جناب مولانا محمد یوسف صاحب کی جماعت کی سہ سالہ کارگزاری پر مشتمل رپورٹ، تجاویز اور مشورے، مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے ذمے دار مسلمانوں اور شریک اجتماع غیر مسلم احباب کا اظہار خیال، اس اجتماع کے پروگرام کے اہم اجزاء تھے۔

محترم امیر جماعت نے سب سے پہلے اجتماعی مقاصد کی توضیح کرتے ہوئے بتایا کہ اس کا ایک اہم مقصد ایک دوسرے سے متعارف و مربوط ہونا، دوسرا مقصد حالات سے واقفیت اور تیسرا مقصد وہ شرکاء اجتماع جو ابھی تک جماعت کی دعوت سے پوری طرح متعارف نہیں ہوسکے ہیں ان کو جماعت کی دعوت کا ضروری تعارف کرا دینا ہے۔

مولانا نے شرکاء اجتماع کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کا تقویٰ اور اس کی حقیقت پر پوری طرح متوجہ اور ذاتی احتساب سے صحیح فائدہ اٹھانے کے لیے کوشاں رہیں۔ تاکہ اجتماعات کے دوران خاص طور پر اور دوسرے مواقع پر بھی رفقاء کی باہمی ملاقات و تعارف، کی سہولت حاصل ہوسکے۔ ایک دوسرے کے خیالات اور مشوروں کے پیش نظر استفادے اور افادے کو رواج دیا جائے مولانا نے اس بات پر بھی توجہ دلائی کہ شرکائے اجتماع نظم وضبط کی پابندی کے ساتھ وقت پر پروگراموں میں شرکت کریں اور ذوق وشوق اور توجہ وانہماک کے ساتھ حصہ لیں۔

مولانا حامد علی صاحب نے اپنی تربیتی تقریر میں جماعت کے نصب العین "اقامت دین" اور شہادت حق کی تشریح کرتے ہوئے اس کے اہم تقاضوں پر روشنی ڈالی اور فرمایا کہ اقامت دین کے لیے اقامت صلوٰۃ شرط لازم ہے۔ نماز کے تمام آداب و شرائط کو ملحوظ رکھ کر اس کا اہتمام کریں۔ اللہ تعالیٰ کی رضا اور فلاح آخرت کے حصول کے لیے مولانا نے بتایا کہ اہل

ایمان کے لیے زندگی کے مختلف شعبوں اور معاملات کی تمام قسموں میں اپنی ذمے داریوں کو سمجھنا اور انجام دینا ضروری ہے۔ تحریک اسلامی کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ افراد جماعت باہم زیادہ سے زیادہ منظم و مربوط ہوں اور اپنے نصب العین کے لیے پیہم اور انتھک جد و جہد جاری رکھیں۔ اس سلسلے میں انبیاء علیہم السلام کے اسوۂ حسنہ کو پیش نظر رکھنا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی دیکھنا ہے کہ باطل قوتیں اپنے باطل مقاصد کے لیے کس طرح جانیں دے رہی ہیں اور مال خرچ کر رہی ہیں۔

درس قرآن کریم از مولانا صدر الدین اصلاحی

مولانا نے سورۂ آل عمران کی آیات کریمہ ۹۷ تا ۱۰۶ یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ ۔ الی ۔ اولئک ھم المفلحون ۔ کی تلاوت فرمائی، ترجمہ پیش کیا اور بصورت درس تفسیر فرمائی۔ اتقوا اللہ کا مفہوم واضح کرتے ہوئے اس بات پر روشنی ڈالی کہ اس سے انسان کے اندر احساس ذمہ داری پیدا اور بیدار ہوتا ہے اور ظاہر و باطن پر تقویٰ پوری وسعت کے ساتھ گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔ مولانا نے پھر اعتصام بحبل اللہ کے بارے میں فرمایا کہ اس سے کیا مراد ہے اور یہ کہ بحیثیت جماعت اللہ تعالیٰ کے دین کے ساتھ مضبوط تعلق قائم کرنے کے لیے کن کن چیزوں سے اجتناب کرنا ضروری ہوتا ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا مفہوم بیان کیا اور بتایا کہ جس طرح چراغ کی روشنی کے لیے تیل ایک ضروری شے ہے ٹھیک اسی طرح امت مسلمہ کے وجود و بقاء کے لیے فریضہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ادائی لازم ہے۔ "اخرجت للناس" کے بارے میں بتایا کہ یہ الفاظ واضح کرتے ہیں کہ یہ امت خود نہیں بن گئی ہے بلکہ ایک اہم فریضے کے لیے اسے مبعوث کیا گیا ہے اور ایک ممتاز جماعت کی شکل میں کھڑا کیا گیا ہے۔ اللہ کے رسول کی بعثت کا جو مقصد تھا اس کے تحت اس امت کی بعثت کا بھی مقصد قرار پایا ہے۔

قیم جماعت مولانا محمد یوسف صاحب نے جماعت کی تشکیل جدید سے لے کر اپریل ۱۹۵۰ء تک کی کارگزاری پر قدرے تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی۔ باقاعدہ رپورٹ میں یاد دہانی کرائی کہ جماعت کو آئندہ کس طرح اور کیا کیا تدابیر اپنے پروگرام کے لیے اختیار کرنی ہیں۔ جماعت کے ارکان کی تعداد ۳۸۹ اور امیدواران رکنیت کی تعداد ۱۶۵ ہے۔ ہمدردان ۱۰۰۹۵

اور متفقین تقریباً ۴۰۰۰ ہیں۔ مقامی جماعتیں ۶۲ ہیں اور ۵۸ مقامات پر جماعت کے منفرد ارکان ہیں۔ حلقہ ہائے ہمدردان بھی ایک خاصی تعداد میں قائم ہیں اور ان کے علاوہ جو لوگ جماعت اور اس کی دعوت سے متعارف ہو چکے ہیں ان کی تعداد اچھی خاصی ہے۔ ۱۹ تنظیمی حلقے جو اپنے قیمین حلقہ کی نگرانی میں کام کر رہے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

اتر پردیش کے حلقے: الہ آباد، بنارس، بارہ بنکی، لکھنؤ، کانپور، رام پور اور شاہ جہاں پور اور حلقہ جات: بمبئی، راجستھان، بھوپال، دہلی، بہار، بنگلہ، دکن، میسور، کیرلہ (ملابار)، تامل ناڈ، آرکاٹ اور مدراس و آندھرا

ریاست اتر پردیش جو جماعت کے چھ تنظیمی حلقوں پر مشتمل تھی اور ہر حلقہ ایک قیم کے تحت کام کر رہا تھا، اس کے لیے ۱۹۵۰ء کے اوائل سے ایک قیم حلقہ اتر پردیش بھی مقرر کیا گیا۔

رپورٹ میں مرکزی مکتبہ، ابتدائی و ثانوی درس گاہ، تربیت گاہ اور شعبہ مالیات کی کارگزاری کی بھی ضروری تفصیل پیش کی گئی۔

قیم جماعت کی رپورٹ کے بعد حلقہ رام پور، حلقہ میسور اور حلقہ شاہ جہاں پور کے قیمین نے اپنے اپنے حلقے کی رپورٹ پیش کی۔

امیر جماعت کا اختتامی خطاب

اجتماع کے آخر میں امیر جماعت کا اختتامی خطاب ہوا۔ موصوف نے اجتماع کی کامیابی پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے اپنی افتتاحی تقریر کی باتوں کی مختصراً یاد دہانی کرائی اور توقع ظاہر کی کہ افراد جماعت انھیں ضرور پیش نظر رکھیں گے اور ہر پہلو سے اپنی ذمہ داری کو حسن و خوبی کے ساتھ انجام دینے کی کوشش کریں گے ـــــــ اس کے بعد اجتماع دعا پر اختتام پذیر ہوا۔

دوسرا کل ہند اجتماع حیدر آباد

جماعت کا دوسرا کل ہند اجتماع جناب محمد یونس صاحب کے زیر نظامت بارہ دری سالار جنگ حیدر آباد میں منعقد ہوا۔ درس قرآن اور امیر جماعت مولانا ابواللیث صاحب ندوی کی افتتاحی تقریر سے اجتماع کا افتتاح ہوا۔ امیر جماعت نے اسلامی تحریک کی حقیقی بنیادوں ـــــ توحید، رسالت، آخرت ـــــ پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور بتایا کہ اسلام امت مسلمہ کو کس طرح

انفرادی واجتماعی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی بندگی کے لیے پابند کرتا ہے اور ہدایت دیتا ہے کہ اللہ کے آخری رسول حضرت محمدؐ کے اسوہ حسنہ اور سیرت پاک کو سامنے رکھ کر مسلمانوں کو کس طرح اسلامی تعلیمات کے سانچے میں اپنی زندگی کو ڈھالنا چاہیے اور آخرت کی جوابدہی کے پورے احساس کے ساتھ یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ نہ صرف یہ کہ خود اپنی زندگیوں کو منکرات سے پاک کر کے سچے پکے بندگان خدا کی حیثیت اختیار کریں بلکہ اپنے معاشرے کی صحیح فلاح وتعمیر کے ساتھ ساتھ انسانیت عامہ کو راہ حق دکھائیں۔

لوگوں کو اسلام اور جماعت کے بارے میں جو غلط فہمیاں اور بدگمانیاں ہوتی رہی ہیں، مولانا نے ان پر بھی قدرے تفصیل سے اظہار خیال کیا اور تلقین کی کہ ہم مسلمانوں کا بھروسا سراسر اللہ تعالیٰ کی رہ نمائی اور مدد پر ہونا چاہیے اور کسی وہم اور وسوسے کو راہ میں حائل نہیں ہونے دینا چاہیے۔

اجتماع کے دوسرے پروگرام میں عام دعوتی خطابات اور تربیتی تقریروں کو بھی شامل کیا گیا۔ قیم جماعت نے اپریل ۱۹۵۱ء سے اکتوبر ۱۹۵۲ء تک کی جماعت کی کارگزاری کی تفصیلی رپورٹ پیش کی۔ شرکاء اجتماع کو بھی اظہار خیال اور تجاویز اور مشورے پیش کرنے کا موقع دیا گیا۔

آخر میں امیر جماعت کی اختتامی تقریر ہوئی، جس میں افراد جماعت کو ہدایات دی گئیں کہ وہ اپنی ذمے داریوں کی طرف زیادہ سے زیادہ متوجہ رہیں، مسلمانوں کو ان کا فرض منصبی یاد دلاتے رہیں اور اپنے اپنے علاقے کے عام بندگان خدا تک بھی پیغام پہنچائیں۔ اس کے بعد دعا پر اجتماع کا اختتام ہوا۔

اجتماع میں امیر جماعت نے "بھارت کی نئی تعمیر اور ہم" (یہ تقریر شائع ہو چکی ہے) کے عنوان پر ایک اور اہم تقریر فرمائی، جس میں آزادی کے بعد کی گزشتہ پانچ سالہ مدت کے حالات کا جائزہ لیا گیا، خرابیوں کی نشاندہی کی گئی، اصلاح حال کی تدبیریں پیش کی گئیں۔ اصلاحات کے سلسلے میں فکر ونظر کی اصلاح کی ضرورت پر توجہ دلاتے ہوئے مولانا نے فرمایا کہ درحقیقت ان خرابیوں کی ذمے داری مغربی نظریۂ حیات پر عائد ہوتی ہے، جو اصل حقیقت سے انسان کو محروم کر دیتا ہے۔

آخر میں ملکی مسائل اور ان کے حل کے سلسلے میں اپنے خیالات پیش کرتے ہوئے مولانا نے اپنی تقریر میں بین الاقوامی مسائل کا بھی ذکر کیا اور بتایا کہ ان کے حل کے سلسلے میں کیا

کوششیں کرنی چاہئیں۔ آخر میں غیر مسلم بھائیوں اور مسلمانوں دونوں کو الگ الگ بھی ان کے حالات کے پیش نظر مخاطب فرمایا۔

تیسرا کل ہند اجتماع بمقام دہلی

جماعت کا تیسرا کل ہند اجتماع جناب انیس الدین احمد صاحب کے زیر نظامت ۱۱ر تا ۱۴ر نومبر ۱۹۶۰ء بمقام پریڈ گراؤنڈ دہلی منعقد ہوا۔

امیر جماعت کی افتتاحی اور اختتامی تقریریں ہوئیں، بعض دوسرے ذمے داروں نے دعوتی خطابات کیے اور قرآن وحدیث کے درس بھی ہوئے۔ قیم جماعت نے ۱۹۵۲ء تا ۱۹۵۹ء کی کارگزاری کی رپورٹ پیش فرمائی۔

امیر جماعت محترم مولانا ابواللیث ندوی صاحب نے اپنے خطبۂ صدارت میں حمد وصلاۃ کے بعد شرکاء اجتماع کا خیر مقدم کیا اور جماعت کی دعوت کو قدرے تفصیل کے ساتھ پیش فرمایا۔ اس کے بعد ان امور ومسائل کا ذکر کرتے ہوئے جو ملک وملت کو درپیش ہیں ان اسباب کا جائزہ لیا جو ان مسائل کو سنگین سے سنگین تر بناتے رہے ہیں اور ان کے ازالے کی تدابیر کی طرف رہ نمائی فرمائی۔

یوں تو مولانا نے سیاسی، معاشی اور معاشرتی زندگی کے تمام اہم شعبوں ہی سے متعلق جائزہ پیش فرمایا لیکن خصوصیت کے ساتھ اخلاقی اقدار پر اظہار خیال کرتے ہوئے اس کی ضرورت واہمیت کو نمایاں کیا۔ ساتھ ہی انھوں نے ملک کی مختلف سیاسی وغیر سیاسی جماعتوں کو مخاطب کرتے ہوئے ان کی کوتاہیوں کی طرف توجہ دلائی اور توقع ظاہر کی کہ وہ اپنی ذمے داری ٹھیک طور پر انجام دینے کی کوشش کریں گی۔

خطاب کے آخر میں مولانا نے جماعت کے نصب العین اور طریق کار کے اہم خطوط و نکات بیان کیے۔

امیر جماعت کے خطبۂ صدارت کے علاوہ جماعت اسلامی ہند کا طے شدہ پروگرام، قیم جماعت مولانا محمد یوسف صاحب کا الوداعی خطاب بھی پروگرام کے اہم اجزاء تھے۔ اس کے علاوہ جناب سید حامد حسین صاحب کا خطاب بہ عنوان "مسائل حاضرہ اور ان کا حقیقی حل" اور

پھر جناب محمد نجات اللہ صدیقی صاحب، جناب عبدالعزیز صاحب، جناب محمد سراج الحسن صاحب اور مولانا سید حامد علی صاحب کی مختلف عنوانوں پر تقریریں ہوئیں۔ مولانا نظام الدین اصلاحی صاحب کا درس قرآن مجید اور مولانا محمد عزیر صاحب المظاہری کا درس حدیث ہوا۔ مولانا سید حامد علی صاحب کی تقریر "اقامت دین کے لیے ناگزیر صفات" کے عنوان پر تھی، جس کے بعض اقتباسات درج ذیل ہیں۔

"...ہندوستان میں اسلام صوفیہ کرام، درویشوں اور خدا کے محبوب بندوں کے ذریعے پھیلا اور حق بات کی طرف ملک کے ہر طبقے نے توجہ دی۔"

"...ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ملک کے تمام رہنما اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں اور ان کے پاس موجودہ مسائل کا کوئی قطعی حل نہیں ہے۔ اس کی اصل وجہ اللہ سے بے نیازی، آخرت فراموشی اور اللہ کی ہدایت کے بجائے خود ساختہ قوانین پر انحصار ہے۔"

"...رب العالمین کی رہنمائی سے محرومی کی صورت میں اخلاق و کردار کی تعمیر نہیں ہو سکتی اور انسانیت کے مسائل کا حل سرمایہ داری، اشتراکیت یا کسی اور مادہ پرستانہ ازم میں نہیں یقیناً اسلام کے پاس ہے۔"

"...بدقسمتی یہ بھی ہے کہ جن ممالک میں مسلمان اکثریت میں ہیں، وہاں بھی ان کے مسائل حل نہیں ہوئے اور اس کا سبب یہ ہے کہ مسلمان جو اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا تھا وہ آج ہر چیز سے خائف ہے اور اس کا واحد علاج خدا کی مکمل بندگی اور اطاعت ہے اور اسی میں مسائل کے حل کرنے کی جدوجہد ضروری ہے۔"

اجتماع میں چند تجاویز بھی پیش ہوئیں جن پر امیر جماعت نے مختصراً اظہار خیال کیا۔

چوتھا کل ہند اجتماع زیبا باغ حیدرآباد

یہ اجتماع ۱۰ رتا ۱۲ ر نومبر ۱۹۶۷ء میں جناب عبدالعزیز صاحب کے زیر نظامت بمقام زیبا باغ منعقد ہوا۔ جماعت کے اس اجتماع میں افراد جماعت کو دعوتی مقاصد اور ان کے متعلقات کی یاد دہانی کرائی گئی، نظم و ضبط کی پابندی اور اصلاح و تربیت کے سلسلے میں متوجہ کیا گیا اور جماعت کی کارگزاری کا تفصیل سے جائزہ سامنے آیا، دعوت و تحریک کے سلسلے میں حالات کی

سازگاری کے پہلوؤں اور اس راہ کے موانع و مشکلات سے واقف کرایا گیا۔ اجتماع میں سوال و جواب، تجاویز اور مشوروں کا اور اجتماع کی کارروائیوں پر اظہار خیال کا بھی موقع دیا گیا۔

امیر جماعت نے اپنے خطبۂ صدارت میں مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے پریشان کن، بعض واقعات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حالات سخت اور پیچیدہ ہیں لیکن مایوسی کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ ملت اسلامیہ کی تاریخ میں سخت سے سخت حالات پیش آتے رہے ہیں لیکن ہمیشہ ان کا پامردی سے سامنا کیا گیا ہے۔ آج بھی ایسا ہی کیا جانا چاہیے اور ساتھ ہی یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ ان حالات کے سلسلے میں خود ملت کی اپنی ذمے داریاں کیا ہیں۔

ملک کی خستہ صورت حال کا ذکر کرتے ہوئے اس قابل افسوس پہلو پر اپنے تعجب کا مولانا نے اظہار کیا کہ ہمارا ملک جو در اصل ایک اہم زراعتی ملک ہے وہاں ذمے داروں کی غفلت اور بے تدبیریوں کی وجہ سے غذائی مسئلے نے بھی گویا ایک سنگین صورت حال اختیار کر لی۔ جبکہ بجا طور پر یہ توقع کی جانی چاہیے کہ ملک نہ صرف یہ کہ اس معاملے میں خود کفالت کے مقام پر ہو بلکہ اپنے یہاں سے دوسرے ضرورت مند ملکوں کو بھی غلہ برآمد کر سکے۔

ملک کے متعدد علاقوں میں امن و قانون کا جو نہایت قابل توجہ مسئلہ بنا ہوا ہے، اس پر مولانا نے تشویش کا اظہار کیا اور حکومت، سیاسی پارٹیوں اور ملک کے عام باشندوں کو ان کی الگ الگ ذمے داریاں یاد دلائیں۔ فرقہ وارانہ فسادات پر تشویش ظاہر کی اور توجہ دلائی کہ حکومت اور عوام سب کی ذمے داری ہے کہ وہ اس کے نتائج بد کو سمجھنے کی کوشش کریں اور مل جل کر اس کے ذمے داروں کو سمجھائیں اور کنٹرول بھی کریں۔ اس سلسلے میں مولانا نے ملکی پریس کو خاص طور پر متوجہ کیا کہ اُسے اپنی ذمے داری کا صحیح طور پر احساس ہونا چاہیے، کیونکہ وہ اگر اپنے رول سے صحیح طور سے واقف ہو کر اس کے لیے کوشاں نہ ہوں تو امن و امان کے پہلو سے ملک کی فضا کو خوشگوار بنانا مشکل ہوگا۔

چھ سالہ رپورٹ ۱۹۶۰ء تا ۱۹۶۶ء

جماعت کی چھ سالہ کارگزاری سے متعلق رپورٹ میں تنظیمی حلقوں کی الگ الگ صورت حال کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا کہ اس مدت میں کس تنظیمی حلقے کے اثرات میں کیا اضافہ ہوا۔ بتایا

گیا کہ مرکزی مکتبہ سے جماعتی لٹریچر کے دو لاکھ اور درسیات کے ساڑھے چودہ لاکھ نسخے شائع ہوئے۔ ہندی اور انگریزی کے علاوہ ملیالم، کنڑی، آسامی، بنگالی، تمل، تیلگو، مراٹھی اور گجراتی زبانوں کے دارالاشاعت کام کرتے رہے ہیں۔ علاقائی زبانوں میں قرآن مجید کے ترجموں کی ضرورت بھی ان کے سامنے تھی۔

رپورٹ میں کہا گیا کہ قحط وخشک سالی کے دنوں میں خاص طور پر بہار اور مشرقی یوپی میں راحت رسانی کے کام پر ڈھائی لاکھ روپیہ صرف کیا گیا۔ فسادات سے متاثر ہونے والوں کی خدمت اور امداد پر دس لاکھ روپے خرچ کیے گئے۔ بتایا گیا کہ مسلم مجلس مشاورت اور دینی تعلیمی کونسل کے ساتھ بدستور تعاون جاری رہا۔ مسلم پرسنل لاء کے تحفظ کی ضرورت واہمیت پر اظہار خیال کرتے ہوئے حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ کوئی ایسی قانون سازی نہ ہونی چاہیے جو مسلم پرسنل لاء میں کسی طرح کی تبدیلی کی ہم معنی ہو اور مزید یہ کہا گیا کہ دستور ہند کے رہنما اصول کی دفعہ ۴۴ کو حذف کیا جائے یا بصورت دیگر مسلم پرسنل لاء کو اس سے مستثنیٰ رکھا جائے۔

''ہندستان کا حال و مستقبل'' کے عنوان پر سید حامد حسین صاحب نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے بتایا کہ ملک کے روشن مستقبل کے لیے ملک کے سامنے کیا بنیادیں ہوں اور اس کے لیے کیا تدبیریں اختیار کی جائیں۔

قیم جماعت جناب مولانا محمد یوسف صاحب نے ''فریضۂ اقامت دین'' کے عنوان پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ موجودہ صورت حال میں مسلمانوں کو اپنی ذمے داریاں کس طرح ادا کرنی چاہئیں۔

''ہندوستان کی مذہبی وتہذیبی اکائیوں کے مسائل اور ان کا حل'' کے عنوان پر امیر جماعت مولانا ابواللیث ندوی صاحب کے زیر صدارت ایک مجلس مباحثہ منعقد ہوئی۔ اس مذاکرے میں جن حضرات نے شرکت فرمائی ان کے نام درج ذیل ہیں:

مسٹر پی سی ڈیسائی (کانگریس) مسٹر راجیشور راؤ (کمیونسٹ) مسٹر ای ایم ایس نمبودری پد (مارکسی کمیونسٹ پارٹی) مسٹر محمد اسماعیل (مسلم لیگ) پروفیسر ہمایوں کبیر، مسٹر این راج شیکھر ریڈی، مسٹر حبیب الرحمان (صدر ریاستی مسلم مجلس مشاورت) ڈاکٹر سردار علی خاں، جناب ابراہیم سلیمان سیٹھ (مسلم لیگ) اور مسٹر احمد اختر (پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی)

اختتامی خطبہ

امیر جماعت نے اپنے اختتامی خطاب میں اجتماع کی کامیابی پر اللہ کا شکر بجالاتے ہوئے توقع ظاہر کی کہ اجتماع کے عام پروگراموں اور خاص طور سے ان مذاکروں اور مباحثوں میں جو باتیں پیش کی گئیں ان سے ہمارے اجتماع کے عام شرکاء بہ شمول غیر مسلم بھائی، جماعت کی دعوت اور اس کے رفاہی وفلاحی کاموں کو نسبتاً بہتر طور پر سمجھ سکے ہوں گے۔ آپ نے دلائل کی روشنی میں مختصراً اس حقیقت کا اعادہ کیا کہ اللہ تعالیٰ، اپنے تمام بندوں کا رب ہے اور انسانی زندگی کی فلاح وبہبود کا اور اخروی فوز وفلاح کا انحصار اس امر پر ہے کہ وہ اپنی اپنی زندگی انفرادی و اجتماعی پوری زندگی اللہ تعالیٰ کے بندے بن کر، اس سے ڈر کر، احساس ذمے داری کے ساتھ اسی کی رضا وخوشنودی کے لیے گزاریں۔

مسلم پرسنل لاء کے مقام اور اس کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا نے ایک طرف حکومت کو توجہ دلائی کہ وہ اس کے مالہ وماعلیہ کو سنجیدگی سے سمجھنے کی کوشش کرے اور ساتھ ہی مسلمانوں کو متوجہ کیا کہ وہ اسلام کے معاشرتی وعائلی قوانین سے بخوبی واقف ہوں اور دوسروں کو بھی واقف کرائیں۔ معاشرتی اور عائلی زندگی میں کسی ایسی چیز کا دخل باقی نہ رہنے دیں، جسے اسلامی تعلیمات واحکام گوارا نہ کرتے ہوں۔

مولانا نے اپنے خطاب کے آخر میں آمریت اور جمہوریت کے درمیان واضح خطِ امتیاز کھینچتے ہوئے فرمایا کہ درحقیقت جمہوریت کی کامیابی اسی صورت میں ہوسکتی ہے جبکہ قانون سازی کے ساتھ ٹھیک طور پر اس کی تنفیذ بھی ہو، حکومت اور عوام اپنی اپنی ذمے داریوں کو ملحوظ رکھیں اور سیاسی جماعتوں کے سامنے اپنے اقتدار اور مفاد کی بات نہ ہو بلکہ سماج اور ملک کی فلاح وبہبود، باشندگان ملک کے درمیان اصول مساوات کی بنا پر بھائی چارے کا فروغ ہو۔ جماعت اپنی پالیسی پروگرام میں متعلقہ امور ومسائل کو کس طرح پیش کرتی ہے، اس سلسلے میں محترم امیر جماعت نے قدرے تفصیل سے اظہار کیا۔

پانچواں کل ہند اجتماع بمقام دہلی

پانچواں کل ہند اجتماع ۱۹۷۴ء میں بمقام دہلی جناب سید حامد حسین صاحب کے زیر نظامت منعقد ہوا۔

اس اجتماع میں محترم امیر جماعت مولانا محمد یوسف صاحب نے خطبۂ صدارت اور قیم جماعت جناب افضل حسین صاحب نے جماعت کی چھ سالہ کارگزاری پر مشتمل رپورٹ پیش کی۔ جناب ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی صاحب نے جماعتی پروگراموں کے اہم اجزاء کے تقاضوں کا تعارف کرایا اور ''عصر حاضر کا انسان، اس کے مسائل اور پیغام'' کے عنوان پر تقریر کی۔ مولانا صدرالدین صاحب اصلاحی نے قرآن مجید کا اور مولانا جلیل احسن ندوی صاحب نے حدیث کا درس دیا۔ ''مسلمانان ہند کے لیے جماعت کا پیغام'' کے عنوان پر مولانا سید حامد علی صاحب نے جماعت کی دعوت کا تعارف کرایا۔ مولانا ابواللیث صاحب ندوی کے افتتاحی کلمات اور امیر جماعت مولانا محمد یوسف صاحب کی افتتاحی تقریر پر پروگرام کے جزو اول کی تکمیل ہوئی۔

ذمے داران جماعت کے علاوہ چند ملکی و غیر ملکی علماء کرام بھی شریک اجتماع تھے۔ مولانا محمد ہاشم فرنگی محلی، نے ـــــ جماعتی عصبیت تباہ کن ہے ـــــ کے عنوان پر اور شیخ ابراہیم الطحاوی نے ـــــ دعوت اتحاد و عمل ـــــ کے عنوان پر تقریر فرمائی۔ جناب ظفر احمد صدیقی وکیل (سیتا پور) نے ''دور جدید کے تعلیمی تقاضے اور ہماری ذمے داریاں'' کے عنوان سے، الشیخ یوسف الہاشمی الرماس نے ''جماعتوں کا اتحاد ایک ناگزیر ضرورت'' اور ڈاکٹر احسن تیمی نے ''طلبہ قوم کا محسن ہیں'' کے عنوان پر اظہار خیال فرمایا۔

رابطہ عالم اسلامی اور کچھ دوسرے اداروں کی جانب سے موصولہ پیغامات پڑھ کر سنائے گئے۔ ''بیرونی ممالک کی اسلامی تحریکیں'' کے عنوان پر بھی بعض حضرات نے اپنے اپنے مطالعے اور خیالات کا اظہار کیا اور مولانا سید جلال الدین عمری نے ادارہ تصنیف جماعت اسلامی ہند کا تعارف اور اس کی کارگزاری پیش کرتے ہوئے اس کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔

امیر جماعت مولانا محمد یوسف صاحب نے اپنے صدارتی خطبے میں ملک و ملت اور عالم انسانی سے متعلق بعض مسائل کا ذکر کرتے ہوئے ان کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے غذا کی قلت اور بھوک کے مسئلے کا اہم سبب دولت کی غلط تقسیم، غلط منصوبہ بندی اور غلط معاشی نظام کو بتایا۔ ارباب اقتدار کی فرض ناشناسی اور بے کرداری کا ذکر کیا۔ جنگوں اور جنگی تیاریوں کے بے دریغ مصارف کو مسئلے کا ایک اور سبب قرار دیا اور بتایا کہ قدرت نے جو ذرائع و وسائل انسان کی معاشی ضرورتوں کے لیے عطا کیے ہیں انھیں مہلک اسلحہ، نیوکلیر تجربوں اور ایٹم بموں کی نذر کر دیا

جاتا ہے۔ اسی طرح سنگین مسئلے کا ایک سبب تاجروں، سرمایہ داروں وغیرہ کی نفع خوری اور ذخیرہ اندوزی کو بھی قرار دیا۔ خوف اور باہمی بے اعتمادی کو عالم انسانی کے دوسرے اہم مسئلے کی صورت میں یاد دلاتے ہوئے اسباب پر روشنی ڈالی اور سب سے اہم اور قابل توجہ مسئلہ اخلاقی زوال کو قرار دیا اور تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالتے ہوئے اس کے ازالے کی تدابیر کی نشان دہی کی۔

عام عالم انسانی کے مسائل کے ساتھ ہی امیر جماعت نے ان مسئلوں کی نشاندہی بھی کی جو امت مسلمہ اور خود ہمارے ملک کو درپیش ہیں اس سلسلے میں جماعت کی پالیسی اور پروگرام نے جو رہنمائی دی ہے اسے واضح کرتے ہوئے بتایا کہ ان پر عمل درآمد کے لیے کیا کوشش کی جا رہی ہے۔

جماعت کی چھ سالہ رپورٹ ۱۹۶۷ء تا ۱۹۷۳ء

قیم جماعت نے اپنی رپورٹ میں جماعت کی مختصر تاریخ پیش کرتے ہوئے جماعت کے پروگراموں کا تعارف کرایا جو چھ نکات پر مشتمل تھا۔ جماعت کے تنظیمی حلقوں کے سلسلے میں اختصار کے ساتھ الگ الگ بتایا گیا کہ جماعتی نقطۂ نظر اور اس کی جدوجہد کے اعتبار سے ان میں کس کی کیا صورت حال ہے۔

بتایا گیا کہ ارکان کی مجموعی تعداد ۲۰۶۳ ہے، مقامی جماعتیں ۳۲۸ اور منفرد ارکان ۲۷۰ ہیں۔ متفقین جماعت کی تعداد ۳۲۲۸ ہے، جن میں تقریباً ۵۰۰۰ ہزار خواتین ہیں۔ متفقین کے ۵۶۱۰۰ اور خواتین کے ۳۰۰ باقاعدہ حلقے ہیں۔ غیر مسلموں میں جو لوگ باضابطہ جماعت کے معاونین ہیں ان کی تعداد ۸۰۷۰ ہے۔ افراد جماعت کی نگرانی میں پورے ملک میں ۵۳ دینی مدارس، ۱۹۲۰ تعلیم بالغان کے مراکز اور ۱۹۶ خدمت خلق کے ادارے چل رہے ہیں، ۷۵ بلاسودی قرض سوسائٹیاں چند مقامات پر گھریلو چھوٹی صنعتوں کے مراکز بھی متوطنین جماعت کی نگرانی کام کر رہے ہیں اور ۳ میٹرنٹی اور بچوں، بچیوں کے اسپتال اور ۲۳ طبی امداد کے سنٹر بھی سرگرم عمل ہیں۔

رپورٹ میں قدرے تفصیل کے ساتھ یہ بھی بتایا گیا تھا کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے تعاون اور توجہ دہانی کے ساتھ کیا کیا خدمات دے رہی ہے اور مشترک فورموں، مثلاً

اتر پردیش دینی تعلیمی کونسل، مسلم مجلس مشاورت اور مسلم پرسنل لا بورڈ وغیرہ تنظیموں اور اداروں کے ساتھ کیا تعاون کیا گیا۔

مختلف ملکی و علاقائی زبانوں کے دارالاشاعت جو جماعت اور افراد جماعت کی نگرانی میں کام کر رہے ہیں، ان کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا کہ بہ حیثیت مجموعی کس قدر خوش آیند اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔

ملکی حالات، ہندوستانی مسلمان اور بین الاقوامی صورت حال پر قراردادیں منظور کی گئیں۔ خواتین اور طلبہ کی الگ الگ نشستیں بھی ہوئیں جہاں ان کی چھ سالہ کارگزاری کا جائزہ لیا گیا اور بتایا گیا کہ آیندہ انھیں اپنے پروگراموں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے کن کن مناسب طریقوں کو اختیار کرنا چاہیے۔

ایک مخصوص نشست ان غیر مسلم احباب پر مشتمل تھی جو جماعت کے باقاعدہ معاونین ہیں اور جماعت کے خدمت خلق اور رفاہی وفلاحی پروگراموں میں شرکت وتعاون کرتے ہیں۔

علماء بیرون ہند کی نشست

بیرونِ ہند کے علمائے کرام کی ایک الگ نشست بھی منعقد ہوئی۔ مولانا ابواللیث صاحب ندوی نے خطبۂ صدارت پیش فرمایا۔

امیر جماعت کی اختتامی تقریر

اجتماع کی کامیابی پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے ہوئے امیر جماعت نے افراد جماعت کو متوجہ کیا کہ اجتماع سے انھیں استفادے کا جو موقع ملا ہے، اسے وہ یاد رکھیں اور واپس جا کر نئے جذبۂ عمل سے اپنی ذمے داریاں انجام دینے کی کوشش کریں۔ ہمارا تعلق اللہ تعالیٰ سے پورے طور پر مخلصانہ ہونا چاہیے اور اپنے درمیان بھی رفیقانہ جذبات کو پروان چڑھانے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کرنی چاہیے۔

امیر جماعت نے بیرونی مہمانوں کی تشریف آوری پر ان کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ حکومت بیرونی مدعوئین کو ویزا دینے میں پس وپیش نہ کرتی تو ان کی ایک اچھی خاصی تعداد شریک اجتماع ہوتی اور انھیں بھی ہمارے ملک کی صورت حال کے بارے میں اچھی رائے قائم کرنے کا

موقع ملتا۔ موصوف نے توقع ظاہر کی کہ حکومت کی جانب سے آیندہ اس طرح کی چوک نہ ہوگی۔

چھٹا کل ہند اجتماع وادیٔ ہدیٰ، حیدرآباد

جماعت کا چھٹا کل ہند اجتماع ۲۰ تا ۲۲ فروری ۱۹۸۱ء کو زیر نظامت جناب عبدالعزیز صاحب بمقام وادیٔ ہدیٰ حیدرآباد منعقد ہوا۔ امیر جماعت مولانا محمد یوسف صاحب نے خطبۂ صدارت اور جماعت اسلامی کے جنرل سکریٹری جناب افضل حسین صاحب نے جماعت کی چھ سالہ کارگزاری ــــ اکتوبر ۱۹۷۴ء تا ستمبر ۱۹۸۰ء ــــ پر مشتمل رپورٹ پیش فرمائی۔ مولانا سید احمد عروج قادری صاحب نے درس قرآن اور مولانا ملک حبیب اللہ صاحب نے درس حدیث دیا۔ مولانا صدرالدین اصلاحی صاحب نے ''مسلمان اور دعوت اسلام'' کے عنوان پر مقالہ پیش فرمایا اور مولانا سید حامد علی صاحب نے ''اسلام ایک نظام رحمت'' کے عنوان پر تقریر فرمائی۔ جناب عبدالعزیز صاحب نے ''ملک وملت کی تعمیر میں جماعت کا رول'' اور جناب سید علی صاحب نے ''ہندوستان میں تحریک اسلامی کا مستقبل'' کے عنوان پر خطاب عام فرمایا۔ ان کے علاوہ جناب محمد سراج الحسن صاحب، کے سی عبداللہ صاحب، ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی صاحب، ڈاکٹر فضل الرحمان فریدی صاحب اور جناب اعجاز احمد اسلم صاحب نے بھی اپنے اپنے عنوان پر تقریریں کیں۔

بیرونی مہمانوں میں سے شیخ علی مختار صاحب سکریٹری جنرل عالمی مساجد کونسل، الشیخ عبداللہ بن عبدالحسن الترکی، آیت اللہ سید خامنہ ای تہران، مصطفیٰ الطحان کویت، الشیخ محمد عمر جنرل سکریٹری مدینہ یونیورسٹی، ڈاکٹر عبداللہ الزائد، الشیخ محمد فواد الزاری عرب امارات، الشیخ صالح بن سعود العلی جامعہ امام محمد بن سعود ریاض نے متعین عنوانات پر تقاریر فرمائیں۔

طلبہ اور خواتین کی الگ الگ نشستیں بھی ہوئیں۔ طلبہ کو جناب محمد نجات اللہ صدیقی صاحب نے اور خواتین کو محترمہ قیصر نیازی صاحبہ اور ناصرہ بیگم صاحبہ نے خطاب کیا۔

چند کمیٹیاں جو پہلے ہی سے بنائی گئی تھیں، ان کی بھی الگ الگ نشستیں ہوئیں۔ جناب محمد مسلم صاحب نے اسلامی صحافت کمیٹی کی نشست میں بتایا کہ مسلم صحافت کو کیا رول ادا کرنا چاہیے۔ مسئلہ فلسطین کمیٹی کی نشست میں محمد شفیع مونس نے قدرے تفصیل سے بتایا کہ فلسطین کا

مسئلہ دراصل کیا ہے، کس طرح پیدا ہوا، کن کن مراحل سے گزرا اور اس کا اصل حل کیا ہے؟

سوال و جواب اور تجاویز اور مشوروں کی نشست بھی امیر جماعت کی صدارت میں ہوئی اور موصوف کے علاوہ شعبۂ تنظیم کے ارکان اور دوسرے ذمے دار رفقاء نے سوالوں کے جوابات دیے۔

شرکاء اجتماع کا خیر مقدم کرتے ہوئے اپنے افتتاحی خطبہ میں امیر جماعت نے سب سے پہلے اس امر کی یاددہانی کرائی تھی کہ "اقامت دین" امت مسلمہ کا مقصد وجود ہے۔ مادہ پرستانہ نظریات اور نظاموں پر تنقید کرتے ہوئے بتایا گیا تھا کہ اس طرح کے نظریات کی بنا پر باشندگان ملک کو کس طرح کے پیچیدہ مسائل ومشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ پھر اخلاقی زوال کی روک تھام اور اس کی اصلاح کی تدابیر بیان کرتے ہوئے امیر جماعت نے واضح کیا کہ منصفانہ نظام معیشت جس کی ملک کو ضرورت ہے اس کی صحیح بنیادیں کیا ہیں۔ اس کے بعد عالم اسلام اور اقوام عالم کو مخاطب کرتے ہوئے مسئلہ فلسطین، افغانستان اور مسلم اقلیتوں کے حالات ومسائل پر روشنی ڈالی اور تحریکات اسلامی کے رول کو واضح کیا۔ آخر میں پھر تو جہ دلائی کہ درپیش نئے حالات میں ہماری کیا ذمے داریاں ہیں۔

چھ سالہ رپورٹ

رپورٹ میں مختلف تنظیمی حلقوں کے الگ الگ حالات اختصار کے ساتھ پیش کیے گئے، پھر الگ الگ بتایا گیا کہ بحیثیت مجموعی غیر مسلم بھائیوں کے سامنے کس طرح اسلامی دعوت کو پیش کیا جارہا ہے اور منتخب مسلم محلوں اور آبادیوں میں کس طرح جماعت کے طے شدہ پروگراموں کو زیر عمل لایا جارہا ہے۔

ایمرجنسی سے متعلق حالات پر بھی مختصراً تبصرہ کیا اور باشندگان ملک خاص طور پر ارباب حکومت کو اپنی ذمے داریاں یاد دلائیں اور عالمی امور و مسائل اور حقوق اسلامی کے سلسلے میں مفید مشورے بھی پیش کیے۔ افراد جماعت کی تربیت اور جماعت کے داخلی استحکام کے سلسلے کی کوششوں اور ان کے اثرات کا قدرے تفصیل سے ذکر کیا گیا اور ایک مختصر جدول کی شکل میں جماعت کے حلقۂ اثر کی نشاندہی کی گئی۔

ساتواں کل ہند مجوزہ اجتماع عام

یہ اجتماع دہلی میں منعقد ہونا تھا لیکن ابھی اجتماع کی تیاریاں ٹھیک طور پر شروع بھی نہیں کی جاسکی تھیں کہ بابری مسجد کے انہدام کے بعد ۱۰ دسمبر ۱۹۹۲ء کو حکومت ہند نے ایک نوٹیفکیشن کے ذریعہ جماعت کی سرگرمیوں پر پابندی عائد کردی اور اجتماع نہیں کیا جاسکا۔

افراد جماعت اور جماعت سے دلچسپی رکھنے والے دوسرے افراد کی جانب سے وقفہ وقفہ سے اس خواہش کا اظہار ہوتا رہا تھا کہ جماعت کا کل ہند اجتماع ہونا چاہیے۔ لیکن اسی دوران جماعت کے کاموں سے دلچسپی رکھنے والوں کی تعداد میں تسلسل کے ساتھ جو اضافہ ہوتا رہا تھا اس کی بناء پر یہ بہت مشکل دکھائی دیا کہ کسی جگہ جماعت کا کل ہند اجتماع عام منعقد کیا جاسکے۔ چنانچہ طے کیا گیا کہ عام اجتماع کے بجائے بمقام وادی ہدیٰ حیدرآباد ارکان جماعت کا اجتماع منعقد کیا جائے اور اس کے بعد ملک کے چار مقامات پر منطقہ وار اجتماعات منعقد کیے جائیں تاکہ ارکان جماعت کے علاوہ جماعت سے دلچسپی رکھنے والے دوسرے حضرات کی بھی کسی منطقہ وار اجتماع میں شرکت ہوجائے۔

ارکانِ جماعت کا کل ہند اجتماع

اس اجتماع میں تقریباً ساڑھے تین ہزار ارکان شریک تھے۔ اجتماع کا ایک اہم مقصد یہ تھا کہ یہ جائزہ لیا جائے کہ ۱۹۸۱ء سے لے کر اب تک جماعت کے حلقۂ اثر میں کیا اضافہ ہوا ہے، اب جماعت کس مقام پر ہے، اس دوران میں دعوت حق بندگان خدا کی کتنی تعداد تک پہنچائی جاسکی۔ افراد جماعت کی اپنی اصلاح وتربیت اور نظم جماعت کے استحکام کے سلسلے میں کیا مؤثر تدابیر اختیار کرنی چاہییں اور ایک بات یہ کہ بلاامتیاز تمام باشندگان ملک تک پیغام حق پہنچانے کے لیے کیا صورتیں اختیار کی جاسکتی ہیں تاکہ خیر امت ہونے کے تقاضے پورے کرنے کی کوشش کی جاسکے۔

قرآن وحدیث کے درس اور امیر جماعت مولانا محمد سراج الحسن صاحب کی افتتاحی اور اختتامی تقاریر کے علاوہ پروگرام جن اجزاء پر مشتمل تھا وہ درج ذیل ہیں:

☆ جماعت اسلامی ہند کی رفتار کار۔ از: جناب محمد جعفر صاحب قیم جماعت

☆ عقیدہ، نصب العین اور طریقۂ کار۔ دستور جماعت کی روشنی میں۔ از: ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی صاحب
☆ رضائے الٰہی اور فلاح آخرت۔ از: مولانا عبدالعزیز صاحب نائب امیر جماعت
☆ شہادت علی الناس۔ از: مولانا سید جلال الدین عمری صاحب
☆ جماعت اسلامی ہند، منزل، پالیسی اور معنویت۔ از: محمد جعفر قیم جماعت
☆ ملی اور ملکی مسائل اور جماعت کا رول۔ از: ایس۔ ایم ملک صاحب حیدرآباد
☆ جمہوریت، سیکولرزم اور جماعت کا موقف۔ (مقالہ): ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری صاحب
☆ پارلیمانی انتخابات اور جماعت کا موقف۔ از: محمد شفیع مونس نائب امیر جماعت
☆ کمزور طبقات کی مظلومیت اور سماجی انصاف۔ از: ڈاکٹر حسن رضا صاحب رانچی
☆ ملک کا معاشی و معاشرتی نظام۔ ایک جائزہ۔ از: ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی صاحب
☆ ہندستانی خواتین کے مسائل اور جماعت کا موقف۔ از: محترمہ شہناز بیگم صاحب دربھنگہ
☆ تحریکات اسلامی اور اسلام کو درپیش چیلنج۔ از: جناب ٹی کے عبداللہ صاحب کالی کٹ
☆ ہماری تنظیمی و تربیتی صورت حال اور اس کے تقاضے۔ از: مولانا سید جلال الدین عمری صاحب

چند قراردادیں بھی منظور کی گئیں، جو درج ذیل ہیں:

۱۔ جماعت کا پیغام ملک وملت کے لیے

اپنے وطن عزیز کی سائنسی اور تکنیکی میدانوں کی ترقیات کو ارکان جماعت کا یہ اہم اجتماع قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ مگر اخلاقی زوال جو مختلف پہلوؤں سے نظر آ رہا ہے، اس پر گہری تشویش کا اظہار بھی کرتا ہے۔ یہ زوال جو باہمی انس ومحبت، انسانی مساوات و ہمدردی، شہری حقوق کے احترام، جذبۂ خدمت خلق اور اسی طرح دوسری بیش قیمت اقدار کی پامالی کی صورت میں نمایاں ہے اور باشندگان ملک خاص طور پر سیاسی اور سماجی جماعتوں اور ان کے رہنماؤں کو جماعت کا یہ اجتماع متوجہ کرتا ہے کہ اس صورت حال کے پیش نظر سنجیدگی سے غور کریں کہ ملک کو اس بحران سے نکالنے کی صحیح اور کامیاب راہ کیا ہو سکتی ہے؟ آزادی کی پچاس سالہ تقریبات کے سلسلے میں ملک کی پارلیمنٹ میں جن احساسات کا اظہار کیا گیا، انہیں بے نتیجہ نہ ہونے دیں، یہ اجتماع اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری سمجھتا ہے کہ ملک کی ان تمام خرابیوں کا حقیقی سبب یہ ہے کہ آزادی کے بعد ملک کو

خدا ترسی و خدا پرستی اور انسانی بھائی چارے کی راہ اختیار کرنے کی بجائے ہدایت الٰہی سے بے نیازی اور خدا بیزاری کی راہوں پر ڈال دیا گیا اور اس ہمہ جہتی خرابی کا اس کے سوا کوئی علاج نہیں ہے کہ ملک حقیقی خدا پرستی اور انسانی اخوت کی راہ اختیار کرے۔

یہ اجتماع خاص طور پر مسلمانان ہند سے اپیل کرتا ہے کہ وہ اپنے خیر امت کے صحیح مقام کا احساس کریں، اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات میں ڈھالیں اور باشندگان ملک کے سامنے راہ حق کو واضح کریں، جو واحد راہ نجات ہے، صرف اسی ذریعے سے برائیوں کا ازالہ اور بھلائیوں کو فروغ ہو سکتا ہے، ان کی دینی، تعلیمی، معاشرتی اور معاشی غرض کہ تمام پسماندگیوں کا ازالہ بھی اس کے اختیار کرنے سے ہو سکتا ہے۔

۲۔ میڈیا (ذرائع ابلاغ) کا رویہ

اس میں دو رائیں نہیں ہیں کہ ہمارے ملک میں میڈیا کا رول۔۔ خواہ وہ پرنٹ میڈیا ہو یا الیکٹرانک میڈیا۔ عام طور پر منصفانہ نہیں رہا ہے۔ جماعت اسلامی ہند کے ارکان کا یہ اجتماع اس حقیقت کا برملا اظہار کرتا ہے کہ ہمارے اخبارات ورسائل یہاں تک کہ ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعے بھی جس جرأت و بے باکی کے ساتھ یک طرفہ تہذیب وثقافت کا پروپیگنڈہ ہو رہا ہے، اس سے نہ صرف یہ کہ عدل وانصاف کی کوئی توقع نہیں کی جا سکتی بلکہ اس سے عام جمہوری قدروں تک کے پاس ولحاظ کا بھی ثبوت نہیں ملتا جس کی اہمیت کا وہ خود بھی رات دن اظہار کرتے رہتے ہیں۔ جہاں تک بین الاقوامی ذرائع ابلاغ کا تعلق ہے، ان سے پوری وسعت کے ساتھ ملک میں عریانی وفحاشی پھیل رہی ہے، جس سے ملک کی نئی نسل کے اخلاق خراب ہو رہے ہیں اور اخلاقی و روحانی اقدار پامال ہو رہی ہیں، حالانکہ اخلاق وکردار کا احساس وشعور پیدا اور بیدار کرنا میڈیا کی ایک اہم ذمے داری ہے۔

یہ اجتماع اس احساس کا اظہار بھی ضروری سمجھتا ہے کہ دین اسلام انسان کی ناگزیر ضرورت ہے۔ یہ دین امن وسلامتی اور فلاح وکامرانی کی مکمل ضمانت فراہم کرتا ہے اور اسلام کے مخلص پیروؤں کی یہ نہایت اہم ذمے داری ہے کہ وہ ذرائع ابلاغ پر پوری طرح نگاہ رکھیں اور ہر مناسب و موثر طریقے سے اچھے اور مثبت اثرات کے لیے کوشاں رہیں۔ ساتھ ہی یہ اہتمام بھی

کریں کہ باشندگان ملک کے بہترین مفادات کا پاس ولحاظ ہو سکے اور انھیں اسلام اور مسلمانوں سے متعلق صحیح معلومات بروقت فراہم ہوتی رہیں۔

یہ اجتماع میڈیا سے وابستہ اداروں اور افراد کو ان کی یہ ذمے داری بھی یاد دلانا ضروری سمجھتا ہے کہ خبروں اور تبصروں کا انداز، یک رخا اور جانب دارانہ نہ ہونا چاہیے۔ وہ پوری کوشش کریں کہ باشندگان ملک کے اخلاق و کردار کی تعمیر کے سلسلے میں ان کا فرض منصبی ٹھیک طور پر مؤثر ڈھنگ سے ادا ہوتا رہے۔

دلت اور پسماندہ طبقات

ارکان جماعت اسلامی ہند کا یہ اہم اجتماع ملک کی صنعتی، سائنسی اور ٹیکنالوجی سے متعلق ترقیات کو قابل قدر خیال کرتا ہے لیکن اس امر واقعی کو کہ پسماندہ طبقات سے متعلق اسکیمیں کامیاب نہیں ہیں، تشویش کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ مختلف اطراف سے حالات کے جو جائزے سامنے آرہے ہیں، ان سے یہ تاثر تو ملتا ہے کہ اونچ نیچ، چھوت چھات اور ناانصافیوں میں کمی آئی ہے لیکن اس واقعی صورت حال کے اس پہلو کو دیکھنا بھی ضروری ہے کہ ان برائیوں سے سماج کو چھٹکارا نہیں مل سکا ہے۔ اس اجتماع کی نگاہ میں بعض مفکرین اور مصلحین کی کوششوں کا یہ پہلو تو خوش آیند ہے کہ اس سے پست طبقات میں آزادی، مساوات اور اپنے انسانی وقار کے حصول کا شعور پیدا ہوا ہے لیکن یہ پہلو فکر و تشویش کا باعث ہوتا جارہا ہے کہ مختلف طبقات کے درمیان اخوت انسانی اور ہمدردی و مساوات کے بجائے ایک نئی طرح کی کشمکش اور نفرت و عداوت کے جذبات پیدا ہوتے جارہے ہیں۔ یہاں تک کہ ملک کے بعض علاقوں میں دلت اور پسماندہ قبائل کو اپنی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کے سلسلے میں نئی مشکلات و مسائل کا سامنا ہے۔

ارکان جماعت اسلامی ہند کا یہ اجتماع ملک کے تمام باشندوں اور سیاسی و سماجی جماعتوں سے اپیل کرتا ہے کہ مختلف طبقات کے درمیان ناروا امتیازات اور نفرت و عداوت کی خرابیوں کے ازالے کی طرف سنجیدہ توجہ کریں اور سماجی مساوات اور یکساں ترقی و خوشحالی کی حکمت عملی اور تدبیر کی جائے۔

یہ اجتماع خاص طور سے مسلمانان ہند سے اپیل کرتا ہے کہ وحدت الہ اور وحدت بنی

آدم کی جس حقیقی رہنمائی کے وہ امین ہیں، صحیح شعور و ادراک کے ساتھ اس کے تقاضے پورے کریں تاکہ ملک میں حقیقی انسانی اخوت وسماجی مساوات اور معاشی انصاف کی فضا پیدا ہوسکے اور دینی اور اخلاقی شعور کی کمی کی وجہ سے جہاں کہیں ان کے اپنے سماج میں ناپسندیدہ امتیاز اور ناانصافیاں موجود ہیں ان کے ازالے کی طرف پوری سنجیدگی کے ساتھ متوجہ ہوں اور اپنی امت مسلمہ کی حیثیت میں وحدت الہ اور وحدت بنی آدم کا پیغام ربانی ملک کے عام باشندوں تک بھی پہنچائیں۔

خواتین کے مسائل

ہندوستان بنیادی طور پر ایک مذہبی ملک رہا ہے لیکن اس اجتماع کا احساس یہ ہے کہ خدائی ہدایات سے بے نیازی ومحرومی اور انسانی مساوات کی بے شعوری سے جس طرح مختلف شعبہ ہائے حیات انسانی اور اخلاقی اقدار سے عاری ہوگئے اسی طرح ہندوستانی خاتون بھی اپنے صحیح مقام و مرتبے سے محروم ہے۔ وہ خاتون ششدر و حیران ہوکر خود کو ایک دوراہے پر کھڑی پاتی ہے۔ اس کے سامنے ایک راستہ تو یہ ہے کہ نامعقول اور ناروا امتیازی رسم رواج نے مضبوط بندھنوں میں جکڑ رکھا ہے۔ دیوداسی، ستی کی رسم کی لعنتوں دلہن سوزی اور دختر کشی کے گھناؤنے حرکات۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ معاشرتی حقوق اور عدل و انصاف کی قدروں سے محروم ہی رہی ہے۔ اس نے اپنے لیے نجات و فلاح کے دروازے ہمیشہ بند پائے ہیں۔ رہی دوسری راہ جو اسے نہایت پرکشش نظر آرہی ہے وہ یہ ہے کہ مغربی افکار و نظریات، آزادی نسواں اور انسانی مساوات کی دلکش اصطلاحوں کے دام فریب کی گویا وہ شکار ہوکر رہ گئی ہے۔ قابل احترام چراغ خانہ کی بجائے وہ شمع محفل بنتی جارہی ہے، اس صورت حال کے پیش نظر یہ اجتماع ملک کے تمام اہل فکر و دانش افراد اور سیاسی، سماجی رہنماؤں کو توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہے کہ سکون و اطمینان سے محروم خواتین کو اس گومگو کی الجھن سے نجات دلانے کے لیے اپنی ذمے داری ادا کریں۔

اس اجتماع کی سوچی سمجھی اور واضح رائے یہ ہے کہ خواتین اگرچہ تعلیمات اور Womens Studies وغیرہ کے میدانوں میں بھی خدمات کے مواقع سے حسب ضرورت فائدہ تو اٹھا سکتی ہیں لیکن ان کی کوئی مصروفیت و خدمت ایسی نہ ہونی چاہیے جو ان کے مخصوص فرائض، بچوں کی تعلیم و تربیت اور خانگی ذمے داریوں سے انہیں محروم و بے نیاز کرنے والی ہو، جو ان کا فطری میدان کار ہے۔

مجلس شوریٰ کے چند اہم فیصلے جو وقتاً فوقتاً کیے گئے

تنظیمی حلقوں سے تعلق

(الف) منعقدہ یکم تا ۶؍مئی ۱۹۵۲ء

حلقۂ بمبئی

محی الدین ایوبی صاحب ایک عرصے سے علیل چل رہے تھے اور کچھ خانگی پریشانیوں میں مبتلا تھے۔ اس لیے شمس پیرزادہ صاحب قائم مقام قیم بنا دیے گئے۔ لیکن بعد میں بھی ان کی مجبوریاں رفع نہ ہوسکیں، اس لیے ان کو ایوبی صاحب کے بجائے مستقل قیم مقرر کر دیا گیا۔

حلقۂ بھوپال

اس حلقے کے قیم اب تک ظہیر الحسن صاحب تھے اور وہی بھوپال کی مقامی جماعت کے امیر بھی تھے۔ ان کی خواہش کے پیش نظر انھیں قیم حلقہ کی ذمے داری سے سبک دوش کر دیا گیا جناب انعام الرحمٰن خاں کو قیم حلقہ مقرر کیا گیا۔

حلقہ بنارس

اس حلقے کے قیم مولانا جلیل احسن ندوی صاحب تھے۔ ان کی قابل لحاظ خواہش کے

پیش نظر، مولانا ملک حبیب اللہ صاحب بستوی (فاضل دیو بند) کو قیم مقرر کیا گیا۔

حلقۂ رام پور و شاہجہان پور

ان دونوں حلقوں کو ملا کر ایک کر دیا گیا اور محمد شفیع مونس کو اس کا قیم مقرر کیا گیا۔ نیز یہ توقع کی گئی کہ وہ بہ دستور ہمی کے ساتھ کچھ وقت یوپی کے دوسرے حلقوں کے دوروں کے لیے بھی نکالتے رہیں گے۔

حلقۂ لکھنؤ

لکھنؤ شہر کی خصوصی اہمیت کے پیش نظر اس کو ایک مستقل حلقے کی شکل دی گئی اور چودھری شفیع احمد صاحب کو اس کا قیم مقرر کیا گیا نیز اس حلقے کے باقی مقامات حلقہ بارہ بنکی سے ملا دیے گئے، جو ''حلقہ اودھ'' کے نام سے موسوم ہوا۔ اسی حلقے میں پرتاپ گڑھ کو بھی شامل کر دیا گیا، جو کہ اب تک حلقۂ الہ آباد میں تھا اور منشی عبد الرؤف صاحب کو اس حلقے کا قیم مقرر کیا گیا۔

حلقۂ کانپور

اس حلقے میں اضلاع کانپور، فتح پور، فرخ آباد مین پوری ملحقہ، اٹاوہ، اناؤ اور ہردوئی شامل کیے گئے اور اس کے قیم حسب دستور سید جعفر علی صاحب برقرار رکھے گئے۔

حلقۂ الہ آباد

الہ آباد کا حلقہ شہر و ضلع الہ آباد تک محدود کر دیا گیا اور اس کے قیم محمد اسحٰق صاحب مقرر کیے گئے۔

حلقۂ کلکتہ

اس کے بارے میں طے کیا گیا کہ اس کا تعلق براہ راست مرکز سے رہے۔ اور یہ بھی طے کیا گیا تھا کہ ملتان، آرکاٹ اور مدراس کے حلقوں کو توڑ کر ان کا ایک حلقہ بنا دیا جائے اور اس کے لیے ایک ہمہ وقتی قیم مقرر کیا جائے۔ باقی حلقہ جات اور ان کا نظم بدستور باقی رکھا گیا۔

(ب) ۲ تا ۹ رجون ۱۹۵۵ء

مندرجہ ذیل حلقہ جات اور قیمین میں تبدیلی کی گئی ۔

حلقہ بہار

اس حلقے کو دریائے گنگا کو حد فاصل قرار دیتے ہوئے شمالی بہار اور جنوبی بہار دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ حلقہ شمالی بہار کے ہمہ وقتی قیم جناب حسنین سید صاحب اور حلقہ جنوبی بہار کے ہمہ وقتی قیم سید ضیاء الہدیٰ صاحب مقرر کیے گئے ۔

حلقہ مشرقی یوپی

اس حلقہ میں اضلاع گونڈہ و بہرائچ کا اضافہ کیا گیا۔

حلقہ شمالی اودھ

اس حلقے کے بارے میں طے کیا گیا کہ یہ اضلاع لکھیم پور کھیری، ہردوئی اور سیتاپور پر مشتمل ہوگا اور جناب مجیب الرحمٰن صاحب کو اس کا قیم مقرر کر دیا گیا۔

حلقہ جنوبی اودھ

یہ حلقہ اضلاع لکھنؤ باستثناء شہر لکھنؤ، رائے بریلی، بارہ بنکی اور فیض آباد پر مشتمل رکھا گیا اور اس حلقے کے قیم مولانا عبد الغفار ندوی صاحب مقرر کیے گئے۔

حلقہ الہ آباد

اس حلقے کے بارے میں یہ طے کیا گیا کہ فی الحال اس میں پرتاپ گڑھ، سلطان پور، باندہ اور الہ آباد کے اضلاع کو شامل رکھا جائے۔ جناب محمد اسحٰق صاحب کو قیمی کے فرائض انجام دینے کی ذمے داری سونپی گئی۔

حلقہ کانپور

اس حلقے میں اضلاع جھانسی، جالون اور ہمیر پور کا اضافہ کیا گیا اور اس کے قیم ماسٹر سید جعفر علی صاحب کو علی حالہ برقرار رکھا گیا۔

حلقہ دہلی

اس کے سلسلے میں صرف ایک ہمہ وقتی قیم کے تقرر کا فیصلہ کیا گیا، اور کچھ دنوں کے بعد مولانا محمد عزیر صاحب المظاہری کو قیم حلقہ مقرر کیا گیا۔

حلقہ بھوپال

اس حلقہ میں جھانسی بھی شامل تھا۔ اب اس میں سے جھانسی کو نکال کر حلقہ کانپور میں شامل کر دیا گیا۔

حلقہ حیدر آباد

طے کیا گیا کہ اجتماع شوریٰ منعقدہ ستمبر ۱۹۵۴ء کے فیصلے کے مطابق حلقہ حیدر آباد کو شمالی اور جنوبی دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

حلقہ شمالی حیدر آباد

اس حلقے میں اضلاع اورنگ آباد، بیڑ، ناندیڑ، پربھنی، عادل آباد اور برار کے اضلاع امراوتی، اکولہ، بلڈانہ اور ایوت محل شامل کیے گئے۔

حلقہ جنوبی حیدر آباد

اس حلقے میں اضلاع عثمان آباد، بیدر، گلبرگہ، رائچور، نظام آباد، میدک، حیدر آباد، محبوب نگر، نلگنڈہ، کریم نگر، کھمم، ورنگل اور اضلاع آندھرا کو شامل کیا گیا۔

حلقہ میسور و مدراس

اس حلقے کے لیے ایک ہمہ وقتی قیم کا تقرر تو بہت پہلے عمل میں آچکا تھا، لیکن وہ اپنی علالت اور دوسری مجبوریوں کے باعث قیمی کے فرائض انجام نہیں دے پا رہے تھے۔ اس اجتماع میں بھی کسی موزوں شخص کے انتخاب میں دشواری محسوس کی گئی۔ عارضی طور سے حلقے کے نظم کو حسب دستور رکھنے کا فیصلہ کیا گیا یعنی مولانا سید عبد الحکیم صاحب میسور کے، مولانا سید امین صاحب آرکاٹ شمالی کے اور مولانا شیخ عبد اللہ صاحب کو چھلستان کا قیم برقرار رکھا گیا۔

(ج) منعقدہ ۱۷ تا ۲۰ جون ۱۹۵۶ء
دیگر انتظامی امور سے متعلق

۱۹۴۸ء

آزادی کے بعد وسط اپریل ۱۹۴۸ء میں ہندوستان میں مقیم ۲۴۰ ارکان کے نمایندہ اجتماع میں جماعت کی تشکیل جدید، جماعت اسلامی ہند کے نام سے عمل میں آئی۔

مولانا ابواللیث ندوی امیر جماعت اسلامی ہند منتخب ہوئے۔ پولیس ایکشن کے بعد مظلومین اور متاثرین کے لیے حیدرآباد، گلبرگہ اور بیدر میں جماعت کی جانب سے ریلیف کا کام کیا گیا۔ بہار میں قحط کے موقع پر غلہ کی تقسیم کی گئی۔ فسادات کو ختم کرنے کی سعی کی گئی۔ شمالی ہند کے سیلاب زدگان کی امداد بھی کی گئی۔

پہلی بارہ رکنی مرکزی مجلس شوریٰ جماعت اسلامی ہند بنی، جس میں (۱) جناب محمد یوسف صاحب (قیم جماعت) (۲) جناب حسنین سید صاحب (بہار) (۳) مولانا صبغۃ اللہ صاحب بختیاری (جنوبی ہند) (۴) مولانا محمد اسمٰعیل صاحب (مدراس) (۵) مولوی محمد یونس صاحب (حیدرآباد) (۶) مولانا اختر احسن صاحب (سرائمیر) (۷) مولانا صدرالدین صاحب اصلاحی (سرائمیر) (۸) چودھری شفیع احمد صاحب (تھلواڑہ، بارہ بنکی) (۹) جناب محمد یوسف صاحب (ٹونک راج) (۱۰) جناب محمد عبدالحیٔ صاحب (رام پور) (۱۱) مولوی سید حامد علی صاحب (رام پور) (۱۲) حکیم محمد خالد (الٰہ آباد) شامل تھے۔

۱۹۴۹ء تا ۱۹۵۰ء

جماعت اسلامی ہند تشکیل جدید کے صبر آزما مراحل سے کامیابی کے ساتھ آگے بڑھتی رہی۔ کانگریس سشن کے موقع پر غیر مسلموں کی جانب سے ہندی ترجمہ قرآن مجید کا مطالبہ اور ترجمہ قرآن کے کام کا آغاز، ہندی ہفتہ وار "اجالا" کی اشاعت، تقسیم کے بعد ہونے والے فسادات کی روک تھام اور قیام امن کے لیے جماعت اسلامی کی کوششیں، ملیح آباد میں مکتبہ کا قیام اور ۱۹۴۹ء میں رام پور کو منتقلی، ملیح آباد سے مرکزی درس گاہ کی رام پور منتقلی، اسلامی نقطۂ نظر سے نصاب تعلیم کی تیاری کا فیصلہ۔ محمد شفیع مونس کا بحیثیت امیر حلقہ یوپی تقرر۔

۱۹۵۱ء

رام پور میں مولانا ابواللیث ندوی کی امارت میں پہلا کل ہند اجتماع، اس موقع پر ادارہ ادب اسلامی کا بھی پہلا کل ہند اجتماع، نوجوانوں کو اسلام کے تقاضوں سے متعارف کرانے کا عزم، خواتین میں کام کا نقشہ کار بنایا گیا۔ نئی شوریٰ میں منتخب ۴ نئے ارکان ۱۔ جناب وی پی محمد علی مالابار ۲۔ مولانا حبیب اللہ ہزاری باغ ۳۔ شاہ ضیاء الحق ۴۔ جناب سید عبدالقادر حیدرآباد کا اضافہ ہوا۔

۱۹۵۲ء

دوسرا کل ہند اجتماع لنگرکوٹ حیدرآباد میں منعقد ہوا شرکاء کی تعداد ایک ہزار سے متجاوز تھی۔ طے کیا گیا کہ حسب ضرورت مزید لٹریچر تیار کیا جاتا رہے گا۔

۱۹۵۴ء

مولانا ابواللیث صاحب امیر جماعت، جناب محمد یوسف صاحب قیم جماعت اور مولانا سید حامد علی مدیر ماہنامہ "زندگی" کی گرفتاری، متفقہ طور پر مولانا صدرالدین اصلاحی صاحب کا انتخاب بہ حیثیت امیر جماعت، مولانا صدرالدین صاحب اصلاحی کی گرفتاری کے بعد جناب سید عبدالقادر صاحب عارضی امیر جماعت منتخب ہوئے، اس کے بعد شوریٰ کی رائے سے جناب سید حامد حسین صاحب کا انتخاب بحیثیت امیر جماعت، مجلس شوریٰ میں نئے رکن جناب شیخ عبداللہ مدراس کا انتخاب ہوا۔

۱۹۵۵ء

دستور جماعت اسلامی ہند پر نظر ثانی کے لیے سب کمیٹی کی تشکیل۔

۱۹۵۶ء

جیل سے رہائی کے بعد مولانا ابواللیث صاحب ندوی کا انتخاب بحیثیت امیر جماعت، دارالتصنیف کے قیام اور دعوتی کاموں اور تربیت پر زیادہ توجہ دینے کا فیصلہ ہوا۔

۱۔ جناب وحید الدین خاں صاحب ۲۔ جناب سید حامد حسین صاحب ۳۔ جناب انعام الرحمان خاں صاحب ۴۔ جناب مولانا سید امین صاحب ۵۔ جناب سید ضیاء الہدیٰ صاحب ۶۔ جناب مولانا محمد عزیر مظاہری صاحب کا رکن مرکزی مجلس شوریٰ کی حیثیت سے انتخاب عمل میں آیا۔ دعوتی وتربیتی امور کی انجام دہی کے لیے پہلی مرتبہ چہار سالہ میقاتی منصوبے کے آغاز کا فیصلہ کیا گیا۔

۱۹۵۷ء

ہندی ماہنامہ کے اجراء کا فیصلہ کیا گیا۔

۱۹۵۹ء

فسادات کے تدارک اور مسلمانوں کے اتحاد کے پیش نظر مسلمانوں کے سربراہ کاروں اور اہل فکر حضرات پر مشتمل ایک کنونشن منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

۱۹۶۰ء

غیر ارکان کے لیے "متفق" کی اصطلاح وضع کی گئی۔ پالیسی اور پروگرام پر نظر ثانی کی گئی۔ تیسرا کل ہند اجتماع دہلی میں منعقد ہوا۔ شرکاء کی تعداد ساڑھے تین ہزار تھی۔ ۱۔ جناب انیس الدین احمد صاحب ۲۔ جناب کے سی عبداللہ صاحب ۳۔ مولانا شمس پیرزادہ صاحب ۴۔ جناب محمد مسلم صاحب ۵۔ مولانا نظام الدین صاحب ۶۔ جناب افضل حسین صاحب مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن منتخب ہوئے۔ اور جماعت کا مرکز رام پور سے دہلی منتقل ہوا۔

۱۹۶۱ء

جبل پور اور ساگر کے مظلومین کی ریلیف اور امداد کا فیصلہ کیا گیا۔ لسانی، نسلی اور صوبائی فرقہ وارانہ عصبیت پر گہری تشویش کا اظہار کیا گیا۔ سیکولرزم کے سلسلے میں اس کے اس مفہوم کو تسلیم کیا گیا جس کی رو سے حکومتی کاروبار میں کسی مذہبی فرقہ کے ساتھ امتیازی سلوک نہ کیا جائے اور بلا امتیاز مذہب وملت یکساں برتاؤ اور سب کو ملازمت وغیرہ کے یکساں مواقع حاصل رہیں۔ الیکشن کے مسئلہ میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔ فیصلہ کیا گیا کہ کمیٹی جماعت سے باہر کے بھی علماء کی آراء سے بھی استفادہ کرے گی۔

۱۹۶۲ء

شعبۂ خدمت خلق کو موثر بنانے کا فیصلہ کیا گیا۔ ہندستان پر چین کے حملہ کی مذمت میں قرارداد منظور کی گئی اور اس سلسلے میں مہم چلانے کا فیصلہ کیا گیا۔

۱۹۶۳ء

پارلیمنٹ میں مسلمانوں کے پرسنل لاء میں اصلاحات کی تجویز اور اس کے سلسلے میں کمیشن کے تقرر کی مخالفت کی گئی، سہ لسانی فارمولہ جس کے نتیجے میں مسلمان بچوں کی اردو زبان سے محرومی یقینی تھی اس کی مخالفت کی گئی۔ ناجائز قبضوں سے مساجد کو واگزار کرانے کا حکومت سے مطالبہ کیا گیا۔ مغربی بنگال، بہار، اڑیسہ اور مدھیہ پردیش میں جو فسادات رونما ہوئے ان کی مذمت کی گئی۔

۱۹۶۴ء

فسادات سے گھبرا کر ملک چھوڑ دینے اور پاکستان چلے جانے کے رجحان کی اصلاح، فرقہ وارانہ جارحیت کے خاتمے کے لیے جدوجہد کی گئی۔ مشرقی پاکستان میں اقلیتوں پر مظالم اور جماعت کے متعدد ذمے داروں کی ڈی، آئی، آر کے تحت گرفتاری کی مذمت کی گئی، ۱۔ جناب عبدالرزاق لطیفی صاحب ۲۔ جناب نجات اللہ صدیقی صاحب۔ ۳۔ مولانا سید احمد عروج قادری صاحب مرکزی مجلس شوریٰ کے نئے ارکان منتخب ہوئے۔ مسلم مجلس مشاورت کے قیام میں تعاون کیا گیا۔

۱۹۶۵ء

سرکاری درسیات میں قابل اعتراض مواد کی جو نشان دہی کی گئی تھی، اس کی اصلاح کا مطالبہ کیا گیا، دینی لٹریچر کے ملیالم، تامل، تلگو، کنڑی، گجراتی، مرہٹی، بنگلہ اور آسامی زبانوں میں اشاعت کے لیے دارالاشاعتوں کا قیام وجود میں آیا، بنگال، بہار اور اڑیسہ کے متاثرین فساد کی امداد کی گئی، مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے اقلیتی کردار کی حفاظت کے لیے تعلیمی شعبوں اور عہدوں کو اسلام سے دور افراد سے پاک رکھنے اور وزیر تعلیم چھاگلا کی برطرفی کا مطالبہ کیا گیا، مسلم

یونیورسٹی میں پولیس کی جانب سے فائرنگ اور ڈی آئی آر کے غلط استعمال کی مذمت کی گئی۔ اردو کے جائز حق کا مطالبہ کیا گیا اور اس کے لیے جد و جہد کی طرف توجہ دلائی گئی۔

۱۹۶۶ء

مراٹھی رسالہ مارگ دیپ کے دفتر کو پونہ کے فسادات میں نذر آتش کرنے کا واقعہ، اعلان تاشقند کا خیر مقدم، اردو کو بہار، دہلی، پنجاب، ہماچل پردیش، راجستھان، مدھیہ پردیش، آندھرا، مہاراشٹر اور میسور کی ریاستوں میں علاقائی زبان تسلیم کرنے کا مطالبہ۔ ملک میں پائی جانے والی بے چینی پر اظہار تشویش، آسام کے "پہاڑی قبائل" کی بے چینی اور تصادم۔ دہلی میں ہندو اور سکھ آبادیوں کا اضطراب و کش مکش اور فرقہ وارانہ جارحیت کو ختم کرنے کے لیے حکمت اور تدبر سے کام لینے کا حکومت کو مشورہ۔

۱۹۶۷ء

نومبر میں حیدرآباد میں چوتھا کل ہند اجتماع منعقد ہوا، شرکاء تقریباً ساڑھے سات ہزار تھے۔ مرکز جماعت اسلامی ہند کے لیے ۱۳۵۲ چتلی قبر دہلی کی عمارت کے خریدنے کا فیصلہ کیا گیا۔ پارلیمانی الیکشن کے مسئلے میں شوریٰ کا یہ فیصلہ کہ کن مقصد کے لیے کس صورت حال میں اور کن شرائط کے تحت حصہ لیا جا سکتا ہے۔

۱۹۶۸ء

نیا چہار سالہ میقاتی پروگرام جاری کیا گیا، جس میں دعوتی و تربیتی امور کے علاوہ پالیسی کی دیگر دفعات سے متعلقہ پروگرام بھی شامل تھے۔

۱۹۶۹ء

ریاستی سطح پر تنظیمی حلقوں کی تنظیم جدید۔ احمد آباد کے ہولناک فساد کے متاثرین کی امداد کے لیے ریلیف فنڈ کا قیام۔ مظلومین کے لیے ملت نگر کے نام سے کالونی تعمیر کرنے کا فیصلہ۔ مسلمانوں اور ملک کی دیگر اقلیتوں کے تحفظ کے لیے اعلیٰ اختیارات کے حامل ٹریبونل اور مرکز میں ایک مستقل وزارت کے قیام کا مطالبہ کیا گیا۔

۱۹۷۰ء

کلیت پسندانہ اور فسطائی طرز حکومت کے مقابلے میں جمہوری طرز حکومت کی حمایت کی گئی اور حکومت کی جانب سے جماعت اسلامی کو نیم فوجی تنظیم قرار دینے اور اس پر فرقہ پرستی کا لیبل لگانے کی مذمت کی گئی۔

۱۹۷۱ء

ہندو پاک مسلح تصادم کے موقعے پر بے جواز گرفتاریوں اور ہنگامی قانون کے بے جا استعمال کی اعلیٰ عدالت کے ذریعہ جانچ کرانے کا مطالبہ کیا گیا۔

۱۹۷۲ء

۹ر اپریل ۱۹۷۲ء، مولانا محمد یوسف صاحب کا بحیثیت امیر جماعت انتخاب ہوا، بنگلہ دیش کے نئے منتخب نمایندوں سے ملک کی تعمیر نو اور جمہوریت کو مستحکم کرنے کی اپیل کی گئی، ہند پاک جنگ پر افسوس کا اظہار کیا گیا۔ غریبی، گرانی، چور بازاری، لوٹ کھسوٹ، ذخیرہ اندوزی، ملاوٹ اور کرپشن کے بڑھتے ہوئے رجحانات کی مذمت کی گئی، دینی تعلیمی کونسل، مسلم مجلس مشاورت، مسلم پرسنل لا بورڈ اور اس سے متعلق مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کے اقلیتی کردار کی بحالی وغیرہ کی کوشش۔ شعبۂ دعوت کا قیام غیر مسلموں کے پیش نظر، فضل الرحمٰن فریدی اور عبدالفتاح صاحب کا جماعت کی نئی منتخبہ مجلس شوریٰ کے لیے انتخاب۔

۱۹۷۳ء

دعوت ٹرسٹ، اشاعت اسلام ٹرسٹ کے علاوہ اسلامک سروس ٹرسٹ، بنگلہ پرکاشن ٹرسٹ، اور آسامی، پنجابی، گجراتی، مراٹھی، تلگو، کنڑی، تامل اور ملیالم دار الاشاعتوں کے قیام کا فیصلہ۔

۱۹۷۴ء - ۱۹۷۵ء

نومبر ۱۹۷۴ء میں جماعت اسلامی ہند کا پانچواں کل ہند اجتماع بہ مقام دہلی منعقد

ہوا، جس میں تقریباً ۱۲ ہزار افراد نے شرکت کی۔ ایمرجنسی کا نفاذ ۲۶ رجون ۱۹۷۵ء کو عمل میں آیا۔ ۴ رجولائی ۷۵ء کو جماعت اسلامی ہند کو غیر قانونی قرار دیا گیا اور امیر جماعت اسلامی ہند مولانا محمد یوسف سمیت ملک بھر میں تقریباً تمام کارکنان جماعت کو گرفتار کرلیا گیا۔ جماعتی دفاتر اور مکتبے مقفل کردیے گئے۔ بہت سا قیمتی سامان ضائع ہوا۔ جماعت کے دفاتر کی حکومت کی جانب سے تلاشی لی گئی، کوئی قابل اعتراض چیز نہیں تھی۔ غیر مسلم قیدیوں کو مختلف جیلوں میں دعوت اسلامی سے متعارف ہونے کا موقع ملا۔

۱۹۷۷ء

۲۱ رماہ بعد ایمرجنسی کا خاتمہ ہوا اور اللہ کے فضل سے جماعت اسلامی بحال ہوگئی، اہل ملک کو مبارک باد، برسر اقتدار جنتا پارٹی سے عدل و انصاف کو قائم رکھنے اور مسلم و غیر مسلم روابط کی اپیل، آزادی فلسطین کی حمایت اور تعاون کا فیصلہ کیا گیا اور فلسطین کو صیہونی اثرات سے پاک کروانے کی اپیل کی گئی،

مجلس نمایندگان کی تعداد میں توسیع ۲۵ پر ایک سے بڑھا کر ۳۰ یا اس کے نصف سے زائد پر ایک کردی گئی۔ طلباء اور نوجوانوں کو اسلامی تقاضوں سے متعارف کرانے کے لیے طلبہ تنظیم کی ضرورت سے اتفاق اور اسٹوڈنٹس اسلامک موومنٹ آف انڈیا سے اخلاقی تعاون اور مجوزہ مسلم کونشن کے انعقاد کے سلسلے میں تعاون کا فیصلہ کیا گیا۔ مسلمانوں کو خوف و ہراس دل سے نکال دینے اور اللہ کے بھروسے پر ملک کی تعمیر نو کے لیے کمربستہ ہوجانے کی تلقین کی گئی۔ دنیا کے محروم و مظلوم مسلمانوں سے اظہار ہمدردی کیا گیا۔

ارکان جماعت پر سے ووٹ نہ دینے کی پابندی ہٹالینے کا فیصلہ جون ۷۷ء کے صوبائی مجالس کے انتخابات کی حد تک عارضی طور پر کیا گیا۔

۱۹۷۸ء

کل ہند ملی کانفرنس کے انعقاد میں تعاون کا فیصلہ کیا گیا۔ مسلم یونیورسٹی ترمیمی ایکٹ ۷۲ء کی منسوخی اور خسرو کمیٹی پر عمل درآمد کے لیے مطالبہ کیا گیا، برما کے مسلمانوں کی حالت زار پر اظہار تشویش۔

بھوپال میں الیکشن کے مسئلے پر ارکان جماعت اسلامی ہند کا کل ہند اجتماع منعقد ہوا، مجلس شوریٰ و نمایندگان کی جانب سے ووٹ دینے پر پابندی کا فیصلہ برقرار رکھنے کا فیصلہ کیا گیا، جماعت کی مجلس نمایندگان کا انتخاب ہوا، مولانا محمد یوسف صاحب دوبارہ امیر جماعت اسلامی ہند منتخب ہوئے۔

۱۹۷۹ء

پاکستان کے معزول وزیر اعظم مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو ایک قتل کے مقدمہ میں پاکستان کی عدالت عالیہ سے موت کی سزا کی تصدیق اور اس پر عمل درآمد پر ہندوستان بھر میں تحریک اسلامی کے خلاف معاندین کی طرف سے طوفان شورش، کارکنوں و جماعت کے املاک کو نقصان پہنچایا گیا تھا۔ بعض کارکنوں کو جسمانی اذیت دی گئی اور شہید کردیا گیا۔ اس شہداء کے ورثاء سے اظہار ہمدردی کرتے ہوئے ان کی ممکنہ امداد کا فیصلہ کیا گیا اور حکومت سے تحقیقات کا مطالبہ کیا گیا۔

جمشید پور کے فسادات پر اظہار تشویش، امداد و بحالی امن کے لیے ریلیف کے کاموں کی انجام دہی۔ تبلیغ مذہب سے متعلق ایک غیر سرکاری بل کی مخالفت۔

۱۹۸۰ء

مرکز بلڈنگ فنڈ کے لیے اپیل کا فیصلہ، اسلامی بینک یا اسلامی فنڈ قائم کرنے کے لیے امکانات و موانع کا جائزہ، حیدرآباد کا چھٹا کل ہند اجتماع اور چودھویں صدی ہجری کے پیش نظر پروگرام منعقد کرنے کا فیصلہ۔ افغانستان میں روسی جارحیت کی مذمت کی گئی، عراق اور ایران کی فوجوں سے جنگ سے قبل کی پوزیشن پر واپس لوٹ جانے کی اپیل کی گئی، جنگ سے ہونے والے نقصانات اور مسلم ممالک کے اتحاد میں رخنہ پر تشویش کا اظہار کیا گیا۔

ہریجنوں پر جو مظالم ہوئے ان پر اسی طرح، آسام کے مسئلے اور مسلم یونیورسٹی بل پر قراردادیں منظور کی گئیں۔ جماعت اسلامی پر فرقہ پرستی کا الزام لگانے کی مذمت کی گئی۔ مرادآباد کے سانحے پر اظہار تشویش کیا گیا، مرادآباد کے علاوہ یوپی کے دوسرے علاقوں کے متاثرین فسادات اور شمالی ہند کے سیلاب زدگان کی امداد کے لیے یوپی ریلیف فنڈ قائم کیا گیا اور پولس مظالم کی مذمت کی گئی۔

جماعت اسلامی ہند اور درپیش آزمائشیں

حکومت نے کبھی جماعت سے واقف ہونے کی غرض سے کبھی کسی غلط فہمی کی بنا پر اور کبھی بد نیتی سے خود اپنی ضرورت کے پیش نظر جماعت کے خلاف اقدامات کیے، کارکنان جماعت کی گرفتاریاں بھی ہوئیں اور جماعت کی سرگرمیوں پر پابندی لگا کر اسے ممنوع قرار دیا جاتا رہا۔ اس کا ضروری خلاصہ درج ذیل ہے:

(الف) پریونٹیو ڈٹنشن ایکٹ (P.D.Act) کے تحت

جماعت کے ذمے داروں کی گرفتاری

یوں تو مصر کے صدر کرنل ناصر کی ہندستان کے سرکاری دورے کے موقعے پر بھی جماعت کے ذمے داروں اور دہلی کی مقامی جماعت کے کچھ ذمے دار رفقاء کی گرفتاریاں ہوئیں اور ہندو پاک کے مسلح تصادموں کے مواقع پر بھی ایسا ہی ہوا، اسی طرح ہند و چین کے مسلح تصادم کے موقعے پر بھی اور ان تمام مواقع پر جماعت کے ذمے داروں کی گرفتاریاں اور کچھ ایسی چیزیں سامنے آئیں، جن کا مطالعہ باعث دلچسپی ہو سکتا ہے۔ لیکن طوالت سے بچتے ہوئے بعض واقعات کا قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جو اس طرح ہے:

(۱) جماعت کے مرکز رام پور یوپی میں بتاریخ ۲۳ فروری ۱۹۵۴ء مولانا ابواللیث صاحب، مولانا محمد یوسف صاحب اور مولانا سید حامد علی صاحب کی گرفتاری عمل میں آئی اور اس کے بعد اسی پی، ڈی، ایکٹ کے تحت مولانا صدرالدین صاحب اصلاحی، محمد شفیع مونس پھر جناب عبدالحیٔ صاحب کو گرفتار کیا گیا۔ اس ایکٹ کے تحت کسی شہری کو زیادہ سے زیادہ ایک سال تک

کے لیے نظر بند رکھا جا سکتا تھا۔ چناں چہ یہ ذمے دار پورے ایک سال تک نظر بند رہے۔ مولانا ابواللیث صاحب اور محمد شفیع مونس کو آگرہ سنٹرل جیل میں، مولانا محمد یوسف صاحب کو فتح پور فرخ آباد سنٹرل جیل میں، مولانا سید حامد علی صاحب اور مولانا صدرالدین صاحب اصلاحی کو گورکھپور سنٹرل جیل میں اور جناب محمد عبدالحیٔ صاحب کو رائے بریلی جیل میں رکھا گیا۔ رائے بریلی جیل میں جناب عبدالحیٔ صاحب کو بی کلاس (B class) کی سہولت بھی نہیں حاصل تھی۔ باقی مذکورہ تین جیلوں میں بی کلاس کی سہولت دی گئی تھی۔

گرفتاری اور نظر بندی کیوں؟

کچھ ایسا سمجھا گیا تھا کہ کسی وجہ سے حکومت جماعت کے مختلف پہلوؤں کے سلسلے میں متعین اور تفصیلی معلومات حاصل کرنا چاہتی تھی۔ اس سے پہلے بعض اخبارات اور پارلیمنٹ میں جماعت کے بارے میں سوالات اٹھائے گئے تھے۔ ضلع مجسٹریٹ مسٹر پانڈے نے امیر جماعت مولانا ابواللیث صاحب سے ملاقات کی خواہش کی، مولانا نے جناب محمد عبدالحیٔ صاحب اور محمد شفیع مونس کو ملاقات کے لیے ان کے پاس بھیجا۔ ایک گھنٹے سے کچھ زیادہ دیر تک خاص طور پر ڈی ایم کے سوالات کے پیش نظر تبادلۂ خیال ہوتا رہا۔ آخر میں کچھ محسوس ہوا کہ ڈی ایم گفتگو سے بخوبی مطمئن ہو گئے ہیں۔ انھوں نے ملاقات سے پہلے، جس انداز سے پرتپاک خیر مقدم کیا اس سے بھی زیادہ پرجوش اور پرتپاک انداز سے انھیں رخصت کیا پھر کچھ دنوں کے بعد حکومت یوپی کے ہوم سکریٹری کی جانب سے ایک تفصیلی سوالنامہ موصول ہوا، جس سے اس قیاس کی تصدیق ہوتی تھی کہ گفتگو و مراسلات کا یہ سلسلہ مرکزی حکومت کے ایما پر یوپی گورنمنٹ نے شروع کرایا ہے۔ سوالنامہ اس طرح کے تمام سوالات پر مشتمل تھا جو کسی جماعت کے بارے میں متعین و تفصیلی واقفیت حاصل کرنے کی غرض سے ذہن میں پیدا ہو سکتے ہیں۔ جس سے یہ سمجھا گیا کہ حکومت کو پوری طرح جماعت اور اس کے متعلقات کے سلسلے میں اطمینان ہو جائے گا اور اگر کوئی مزید بات وہ جاننا چاہیں گے تو ہم سے حکومت کے ذمے دار خود بالمشافہ گفتگو کر لیں گے۔ مگر ہوا یہ کہ کچھ دنوں کے بعد فجر کی اذان سے پہلے امیر جماعت مولانا ابواللیث صاحب، قیم جماعت مولانا محمد یوسف صاحب اور مدیر ماہنامہ ''زندگی'' مولانا سید حامد علی صاحب کو گرفتار کر لیا گیا۔

گرفتاریوں کے بعد جماعت کے مرکز اور گرفتار شدگان کے مکانوں کی تلاشی شروع ہوئی۔ عملاً یہ کام ایک ڈی ایس پی کی سرکردگی اور سرکل انسپکٹر کی نگرانی میں ہوا۔ انھوں نے تقریباً پونے تین گھنٹے تک بڑی سنجیدگی اور توجہ کے ساتھ دفتر کی تمام چیزوں کو دیکھا اور سمجھنے کی کوشش کی اور اس تحقیق و تفتیش کے بعد غالباً ان کا ذہن یہ بن گیا کہ جماعت کے یہاں درحقیقت قابل اعتراض کوئی بھی چیز نہیں ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اس کا کام اور اس کا انداز تو یہ تقاضا کرتا ہے کہ جماعت کی خدمات کی قدر کی جائے۔ چناں چہ پولیس والے سی آئی ڈی (CID) کے ذمے داروں سے برملا پوچھنے لگے کہ وہ چیزیں کیا اور کہاں ہیں جن کے سلسلے میں آپ لوگوں نے حکومت کو رپورٹیں دی ہوں گی۔

جماعت کی جانب سے حکومت کے سوالنامے کا جو جواب بھیجا گیا تھا، اس کے پیش نظر اگرچہ بڑی حد تک اطمینان تھا کہ جماعت کے بارے میں حکومت کے لیے غلط فہمی کا موقع باقی نہیں رہا ہے تاہم احتیاط کے طور پر مرکزی مجلس شوریٰ کا اجلاس بلالیا گیا تھا۔

اجلاس مولانا صدرالدین اصلاحی صاحب کے زیر صدارت ہوا۔ تذکیر و کلمات افتتاحی کے بعد صدر اجلاس نے امارت کے مسئلے پر اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ کام تو مجلس شوریٰ کا ہے کہ وہ امیر کا انتخاب کرے جس میں یہ طے کرے کہ یہ امیر جس کا انتخاب ہوگا اسے امیر جماعت کہا جائے گا یا وہ عارضی امیر جماعت یا قائم مقام امیر جماعت ہوگا؟ لیکن یہ بات طے شدہ رہنی چاہیے کہ مولانا ابواللیث صاحب جس روز جیل سے رہا ہوکر واپس تشریف لائیں گے اس روز سے وہی امیر جماعت ہوں گے۔ اس کے بعد ایجنڈے کے دوسرے مسائل پر غور کیا گیا۔ طے شدہ امور میں جو چیزیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

☆ مولانا صدرالدین اصلاحی صاحب کو امیر جماعت اسلامی ہند منتخب کیا گیا۔

☆ امیر جماعت نے محمد شفیع مونس کو مجلس شوریٰ کے مشورے سے قائم مقام قیم جماعت مقرر کیا۔

☆ یہ بھی طے کیا گیا کہ تا اطلاع ثانی جماعت کے اجتماعات میں جو کچھ پیش کیا جائے وہ بصورت تحریر پیش کیا جائے۔

الزام نامے

گرفتاریاں پریوینٹو ڈٹینشن ایکٹ (P.D. Act) کے تحت عمل میں آئی تھیں۔ تمام الزامات غلط، بے بنیاد اور جعلی تھے۔ دراصل الزام کے نام پر ایک ہی بات تھی جسے بار بار دہرایا گیا تھا، وہ یہ کہ فلاں تاریخ کو جماعت کے مرکز میں ایک کیمرہ میٹنگ ہوئی، جس میں فلاں فلاں لوگ شریک ہوئے۔ (یعنی وہ لوگ جو گرفتار کیے جاچکے تھے اور وہ بھی جنھیں آئندہ گرفتار کرنا پیش نظر تھا۔) طے پایا کہ:

☆ کشمیر کے لیے فنڈ جمع کیا جائے اور بھیجا جائے۔

☆ کشمیر رضاکار بھیجے جائیں۔

☆ کشمیر روپیہ بھی بھیجا جائے اور رضاکار بھی بھیجے جائیں۔

یہ کچھ نہیں تھا کہ کسی روز کوئی روپیہ یا پیسہ بھیجا بھی گیا تھا؟

افراد جماعت اور دوسرے بہت سے حضرات کے لیے یہ ایک تعجب خیز بات تھی کہ آخر جماعت اسلامی ہند جیسی پر امن اور باشندگان ملک کی بہی خواہ اور خدمت گزار جماعت پر ناروا ہاتھ کیوں ڈالا گیا ہے۔ چناں چہ محمد شفیع مونس (رکن شوریٰ) جناب شاہ ضیاء الحق (رکن شوریٰ) اور امیر حلقہ لکھنؤ مولانا عبدالغفار ندوی نے مسٹر راج نرائن اور رام نرائن سے ملاقات کی۔ ان دونوں مقدم الذکر یوپی کی قانون ساز اسمبلی میں سوشلسٹ پارٹی کے لیڈر اور موخرالذکر ڈپٹی لیڈر تھے، اور سوشلسٹ پارٹی یوپی اسمبلی کی سب سے بڑی اپوزیشن پارٹی تھی۔ مسٹر سمپورنا آنند ان دنوں یوپی کے ہوم منسٹر (Home Minister) تھے۔ کچھ دنوں کے بعد مسٹر رام نرائن کو یوپی اسمبلی کا ڈپٹی اسپیکر منتخب کیا گیا۔ وہ مسٹر سمپورنا آنند سے ملاقات کرتے رہے۔ انھوں نے مسٹر سمپورنا آنند سے کہا کہ بھئی یہ تو بڑے اچھے لوگ ہیں۔ کوئی قابل اعتراض کام نہیں کرتے، انھیں کیوں گرفتار کرلیا گیا ہے؟ اور اپنی بات کو پختہ کرنے کے لیے انھوں نے یہ بھی کہا کہ فیض آباد میں میرے ایک کالج کے ہم جماعت ہیں جو شروع ہی سے میرے ساتھ رہے ہیں، ان کے بارے میں یہ سوچا بھی نہیں جاسکتا ہے کہ وہ کسی ایسی جماعت سے وابستہ ہوسکتے ہیں جو کسی قابل اعتراض کارروائی کا ارتکاب کرتی ہو۔

پی ڈی ایکٹ کے تحت نظر بند افراد شخصی سماعت کے لیے ایک ایڈوائزری بورڈ (Advisory Board) کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کرنے کا حق رکھتے تھے۔ بورڈ تین ججوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ چیرمین الٰہ آباد ہائی کورٹ کے جج مسٹر بھارگو تھے۔ اور مولانا محمد یوسف اور مولانا سید حامد علی صاحب شخصی سماعت کے لیے پیش ہوئے۔ وجوہ گرفتاری کے تحریری جواب پہلے ہی داخل کیے جا چکے تھے اور شخصی سماعت کی صورت میں بورڈ کی جانب سے جو سوال کیے گئے ان کا بھی بالوضاحت جواب پیش کر دیا گیا۔ بجا طور پر یہ توقع کی گئی کہ اب جماعت کے تینوں ذمے دار حضرات رہا کر دیے جائیں گے۔ لیکن یہ کچھ نہیں ہو سکا۔

پہلی گرفتاریوں کے تقریباً سوا پانچ مہینے بعد اسی ایکٹ کے تحت اگست ۷۵ء میں مولانا صدرالدین صاحب اصلاحی، محمد شفیع مونس اور جناب محمد عبدالحی صاحب کو بھی گرفتار کر لیا گیا اور حسب سابق ان کے مکانوں کی بھی تلاشی لی گئی۔

وجوہ گرفتاری کی اطلاع کے طور پر جو الزام نامے گرفتار شدگان کو دیے گئے، ان میں اس بار بھی کشمیر فنڈ اور کشمیر میں رضاکار بھیجنے کے لیے فیصلوں کا الزام ہی بار بار دوہرایا گیا تھا۔ محمد شفیع مونس اور جناب محمد عبدالحی صاحب بھی شخصی سماعت کے لیے لکھنؤ ہائی کورٹ کی عمارت میں بورڈ کے سامنے پیش ہوئے۔ انداز سے کچھ ایسا مترشح ہوتا تھا کہ بورڈ کے ارکان غالباً اپنے ذہن میں ایک خاص سوال یہ رکھتے تھے کہ کشمیر کے قضیے پر پاکستان اور ہندستان کے درمیان مسلح تصادم ہو سکتا ہے اور جماعت اسلامی، جو اسلامی ہدایات و تعلیمات کو ملحوظ رکھتی ہے، اس تصادم کے موقعے پر پاکستان کا ساتھ دے گی؟ چناں چہ ان کی جانب سے سوال کیا گیا اور اس کے جواب میں انھیں بتایا گیا کہ کوئی اسلامی مملکت صرف اپنے ملک کے شہریوں کی ولی ہوتی ہے، دوسرے ملک کے مسلمان شہریوں کی نہیں۔ قرآن مجید کے سورہ انفال کی بہترویں آیت اس مسئلے پر روشنی ڈالتی ہے:

والذین امنوا ولم یھاجروا مالکم من ولایتھم من شئی حتی یھاجروا ۔

(انفال: ۷۲)

''وہ لوگ جو ایمان لے آئے مگر ہجرت کر کے (دارالاسلام میں نہیں گئے) تو ان سے تمہارا ولایت کا رشتہ یا تعلق نہیں ہے۔ جب تک کہ وہ ہجرت کر کے نہ آ جائیں۔''

یہ آیت جس کے اصل مخاطب اسلامی مملکت کے ذمے دار ہیں۔ اسے سن کر بورڈ کے

تینوں ارکان نے الگ الگ لائبریری سے انگریزی ترجمے کے قرآن نکالے اور بغور مطالعہ کیا۔

مطالعہ کے بعد بورڈ کے چیرمین مسٹر بھارگو نے کہا کہ آپ لوگوں نے اپنے خلاف الزامات کے جو جوابات تحریر کیے ہیں، انھیں پڑھ کر اور اب رو در رو خیالات کا تبادلہ کر کے ہماری جو رائے قائم ہوئی ہے، وہ تو یہ ہے کہ حکومت کو نہ صرف یہ کہ آپ کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرنی چاہیے بلکہ اسے چاہیے کہ آپ کی مدد کرے۔ بورڈ کے دوسرے ججوں نے بھی گردن ہلاتے ہوئے بصراحت چیرمین کی بات کی تائید کی۔

چیرمین بورڈ کے سوال پر بتایا گیا کہ ارکان جماعت کی تعداد سات سو سے اوپر ہے۔ اسے سن کر بیساختہ چیرمین کی زبان سے نکلا کہ ضلع مجسٹریٹ نے چالیس ہزار تعداد بتائی ہے۔ ان سے کہا گیا کہ اب جماعت کے دفتر کا تمام تر ریکارڈ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور حکومت ہی کی تحویل میں ہے۔ حقیقت واقعی کے بارے میں ان سے پھر پوچھا جانا چاہیے۔ اس کے بعد آخری بات یہ کہی گئی کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور حکومت کی جانب سے جماعت کے بارے میں بورڈ کو جو کچھ بتایا گیا ہے، اس کے پیش نظر جو سوالات ہوں سب ضرور کر لیے جائیں۔ مگر بورڈ کی جانب سے پھر کوئی بات نہیں کہی گئی اور مکمل خاموشی کی حالت میں یہ کارروائی اختتام پزیر ہوئی۔ لیکن اس سب کے باوجود ایک سال سے پہلے کسی کی بھی رہائی نہیں ہوئی۔ پی ڈی ایکٹ کے تحت ایک سال سے زیادہ کسی کو نظر بند نہیں رکھا جا سکتا تھا۔

البتہ یہ واقعہ ہے کہ ایمرجنسی اور ۹۲ء کی پوری جماعت پر پابندی کے دنوں کے علاوہ اتر پردیش میں جماعت سے تعلق کی بنیاد پر کسی کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔

(ب) ایمرجنسی اور جماعت کی سرگرمیوں پر پابندی

۲۶؍جون ۱۹۷۵ء کو ملک میں ایمرجنسی (ہنگامی حالات میں) کا اعلان ہوا۔ اسی روز رات کے وقت ہی دہلی میں جناب محمد یوسف صاحب صدیقی (رکن مرکزی مجلس شوریٰ) جناب محمد مسلم صاحب (رکن مرکزی مجلس شوریٰ) جناب عبدالوحید خاں صاحب (مقامی امیر جماعت دہلی) اور دہلی کے ارکان راؤ شمشاد علی خاں، جناب رؤف الحسن اور جناب ثاقب عباسی اور دہلی کے دوسرے مقامی ارکان جماعت کی گرفتاری عمل میں آ چکی تھی۔

۲۸؍جون ۱۹۷۵ء کو مرکزی مجلس شوریٰ کا ہنگامی اجلاس ہوا۔ امیر جماعت مولانا محمد یوسف صاحب نے جماعت پر پابندی کے اندیشے کا اظہار کیا اور کہا کہ ہو سکتا ہے کہ جماعت کے کچھ دوسرے ارکان کو بھی گرفتار کر لیا جائے۔ تحریکوں کو حال ہی پر نہیں مستقبل پر بھی نظر رکھنی ہوتی ہے اور ایک اسلامی تنظیم کو اپنی مومنانہ فراست و بصیرت سے مستقبل کے بارے میں سوچنا ہوتا ہے۔ افراد جماعت کو ہنگامی صورت حال میں اللہ پر بھروسا کرتے ہوئے پر امن رہنے کی، امیر جماعت اپنے ایک بیان میں پہلے ہی تلقین کر چکے تھے۔ بیان ۲۸؍جون ۱۹۷۵ء کے سہ روزہ دعوت میں شائع بھی ہو چکا تھا۔

اگلی نشست ساڑھے تین بجے سہ پہر کو ہونے والی تھی، جس میں یہ غور کرنا تھا کہ حالات کو پر امن رکھنے کے لیے کیا کیا عملی صورتیں اختیار کی جائیں۔ مگر اس سے پہلے ہی امیر جماعت مولانا محمد یوسف صاحب، مولانا سید حامد علی صاحب اور قیم جماعت افضل حسین صاحب

کی گرفتاری کا حکم مل گیا۔ اس موقع پر مولانا سید احمد عروج قادری صاحب کو قائم مقام امیر جماعت اور محمد شفیع مونس کو قائم مقام قیم جماعت مقرر کیا گیا بعد ازاں اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ رہنمائی اور مدد فرمائے اور صبر و استقامت کی توفیق عطا کرے نشست ختم ہوئی۔

چند روز کے بعد ۳؍۴؍جولائی ۱۹۷۵ء کی شب میں جماعت پر پابندی کا اعلان ہوا۔ مرکزی دفاتر وغیرہ سیل (Seal) کر دیے گئے۔ جماعت کے مرکز میں مزید گرفتاریاں ہوئیں اور ملک میں دوسرے مقامات پر بھی جماعت کے دفاتر سیل اور افراد جماعت کو گرفتار کیا گیا۔

یہ بات بہت تفصیل طلب ہے کہ ملک کے مختلف مقامات اور علاقوں میں جماعت کے جو افراد گرفتار کیے گئے تھے، ان کے ساتھ کیا سلوک ہوا۔ گرفتاریاں عام طور پر ڈی آئی آر (DIR) اور میسا کے تحت عمل میں لائی گئی تھیں۔ کسی کے خلاف یہ الزام تھا کہ وہ ریلوے لائن اکھاڑ رہے تھے، کسی کے خلاف یہ الزام کہ وہ بجلی کے کھمبے اکھاڑ رہے تھے اور کسی کے خلاف اس سے بھی شدید الزام یہ تھا کہ وہ فلاں بڑے دریا کے پل کو ڈائنامیٹ کر رہے تھے اور ایک الزام تو بالکل عام تھا کہ یہ ایک مجمع کو خطاب کر کے لوگوں کے جذبات بھڑکا رہے تھے، یہ کہتے ہوئے کہ ہم ایمرجنسی قبول نہیں کریں گے اور ہم سے جو کچھ ہو سکے گا کر کے رہیں گے۔

قید زنداں میں اللہ کے فضل و کرم سے رفقاء جماعت کا اس طرح کا اخلاق و کردار سامنے آیا جس کا اسلامی تعلیمات تقاضا کرتی ہیں۔ عام طور پر جیل کے عملے کا اچھا سلوک رہا۔ ملک کی سیکولر سیاسی پارٹیوں کے تو بہت سے ذمے دار و افراد سے بہت پہلے سے ملک میں جگہ جگہ ہمارے رفیقوں کی ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں اور ان کے بارے میں کچھ نہ کچھ واقفیت بھی تھی لیکن آر ایس ایس (RSS) اور جن سنگھ وغیرہ جماعتیں جنھیں ان دنوں اکثر سنگھ پریوار کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اس کے کارکنوں اور ذمے داروں سے قابل ذکر ربط نہ تھا۔ اور اگر کچھ تھا بھی تو وہ اس بنا پر تھا کہ وہ ہمارے بارے میں کچھ اس طرح کی غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں جن میں سیاسی لیڈر اور اخبارات، باشندگان ملک کو عام طور پر مبتلا رکھا کرتے تھے۔ لیکن جب انھیں ایک خاصی طویل مدت تک دن رات براہ راست ہم کو دیکھنے اور ہمارے خیالات سے واقف ہونے کا موقع ملا تو اس کا ایک خوش آیند اثر ان پر پڑا۔ اس کے تاثرات جیل کے باہر پہنچے رہے اور ایمرجنسی کے خاتمے کے بعد بھی اخبارات میں بھی ان کی طرف سے اس کا اظہار ہوا۔

۱۹۷۷ء میں پارلیمانی عام انتخابات کے پیش نظر جب ہنگامی حالات کے خاتمے کا اعلان ہوا اور جماعت اسلامی ہند کے بشمول ان تمام جماعتوں پر سے پابندی اٹھالینے کا بھی اعلان ہوگیا جن پر ایمرجنسی کے نفاذ کے بعد پابندی عائد کردی گئی تھی۔

(ج) سرگرمیوں پر دوسری بار پابندی

۶ دسمبر ۱۹۹۲ء میں بابری مسجد کے انہدام کے بعد جب ملک کی فرقہ وارانہ فضا حد درجہ خراب ہوگئی اور مختلف شہروں اور دیگر مقامات پر بڑے پیمانے پر فسادات کی آگ بھڑک اٹھی۔ اس کے بعد اس وقت کے وزیر اعظم جناب پی وی نرسمہاراؤ کے ایک اخباری بیان سے یہ خیال کیا جانے لگا کہ ایمرجنسی کی طرح کیا حکومت، جماعت کی سرگرمیوں پر پھر پابندی لگانا چاہتی ہے چناں چہ اس سلسلے میں امیر جماعت نے وزیر اعظم کو ایک خط لکھا جو اس طرح ہے:

جناب پی وی نرسمہاراؤ صاحب! وزیر اعظم ہند آداب وتسلیمات

میں نے ۹ دسمبر ۱۹۹۲ء کے اخبارات میں آپ کا ایک مختصر بیان پڑھا تھا۔ جو قومی آواز میں اس طرح شائع ہوا ہے:

''نئی دہلی۔۸ دسمبر وزیر اعظم نرسمہاراؤ نے کہا ہے کہ جن جماعتوں نے آئین اور قانون کی دھجیاں اڑا کر قانون کی عملداری کی مخالفت کا سنگین جرم کیا ہے، ان پر پابندی لگانے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ فرقہ پرست جماعتوں نے ملک اور قوم سے غداری کی ہے اور حکومت ایسی جماعتوں کی فہرست تیار کررہی ہے۔''

جہاں تک آپ کے بیان کا تعلق ہے اس سے اختلاف کی گنجائش نہیں ہے۔ اگر قانون کی دھجیاں اڑانے والی جماعتوں کو راہ راست دکھانے اور اس پر قائم رکھنے کی کوئی صورت حکومت کے سامنے نہیں ہے تو یقیناً وہ ایسا سوچ سکتی ہے لیکن بعض لوگوں کی جانب سے ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ خود کانگریس آئی کے کچھ ارکان پارلیمان نے یہ تجویز بھی پیش کی ہے کہ جماعت اسلامی ہند پر بھی پابندی لگائی جائے۔ توقع تو نہیں ہے کہ اس طرح کی کسی عاقبت نااندیشانہ تجویز کو آپ قبول کریں گے، جس سے ملک کی موجودہ صورت حال اور بھی پیچیدہ ہو جائے۔ جماعت اسلامی ہند اپنے دستور، پالیسی، پروگرام اور اول تا آخر اپنی کارگزاری کی رو سے اب ملک میں یہ عام تعارف

رکھتی ہے کہ نہ صرف یہ کہ کسی پہلو سے بھی جماعت کے خلاف فرقہ پرستی کا گھناؤنا الزام لگایا نہیں جاسکتا بلکہ وہ تو فرقہ پرستی کے خاتمے کی علمبردار جماعت ہے۔ وہ ملک کے تمام باشندوں بلکہ تمام انسانوں کو اسلامی نقطہ نظر کے مطابق بھائی بھائی کی حیثیت دیتی ہے اور کسی شخص کے ساتھ ادنیٰ درجے کا امتیازی سلوک بھی اس کی نگاہ میں ایک گناہ کا درجہ رکھتا ہے۔

حکومت کا کوئی اقدام اگر اپنا کوئی اخلاقی وقانونی جواز نہ بھی رکھتا ہو اس حالت میں بھی جماعت حتی الوسع پرامن رہ کر راہ راست کو اختیار کیے رہے گی۔ مگر کیا کسی کھلم کھلا غیر عادلانہ اقدام کا سرے سے کوئی ردعمل ہی نہ ہوگا، غالباً یہ بات آپ کے علم میں ضرور آگئی ہوگی کہ آنجہانی محترمہ اندرا گاندھی سے ایمرجنسی کے وقت ایک چوک ہوگئی تھی انہوں نے بیلنسنگ پالیسی کے طور پر اپنی کسی ضرورت کے تحت ایمرجنسی میں جماعت کی سرگرمیوں پر بھی پابندی لگادی تھی۔ مگر اس کا جو ردعمل ان کے سامنے آیا اس نے انہیں ایمرجنسی کے خاتمے تک برابر پریشانی میں مبتلا رکھا تھا۔ بہر حال میں فرقہ پرستی اور جماعت اسلامی کے عنوان سے چند اقتباسات اس عریضے کے ساتھ منسلک کررہا ہوں۔ اور اچھی توقعات کا اظہار کرتا ہوں۔ (سہ روزہ دعوت ۱۹ دسمبر ۱۹۹۲ء)

وزیر اعظم نرسمہاراؤ کے بیان کے پیش نظر لوگوں کا خیال یہ تھا کہ اگر حکومت جماعت اسلامی کو ممنوعہ قرار دیتی ہے تو وہ اس کے خلاف فرقہ پرستی یا بابری مسجد کے مسئلے میں کوئی الزام عائد کرے گی، لیکن حکومت کی طرف سے اس طرح کا کوئی الزام نہیں تھا۔ ظاہر ہے کہ اگر کسی کے خلاف کسی کو بدنیتی سے کام کرنا ہو تو اس کے لیے کچھ بھی غلط اور بے بنیاد الزام عائد کیا جاسکتا ہے۔ چناں چہ حکومت کا الزام مسئلہ کشمیر سے متعلق تھا جو سراسر غلط تھا۔ الزام امیر جماعت کی ایک تقریر کے سلسلے میں تھا اور دوسرا نائب امیر جماعت مولانا عبدالعزیز صاحب کے بارے میں تھا دراں حالیکہ ان کی کسی تقریر وغیرہ کا بھی حوالہ نہیں تھا۔

دراصل ۱۰ دسمبر ۱۹۹۲ء کو ایک نوٹیفکیشن کے ذریعہ غیر متعلق سرگرمیوں کی روک تھام سے متعلق قانون مجریہ ۱۹۶۷ء کے تحت پانچ تنظیموں ـــ جماعت اسلامی ہند، اسلامک سیوک سنگھ، آر ایس ایس، وشو ہندو پریشد، بجرنگ دل ـــ پر پابندی لگادی تھی۔ الزام کے پیش نظر امیر جماعت کا جو بیان فوری طور پر اخبارات میں شائع ہوا اس میں کہا گیا تھا کہ جماعت پر پابندی لگاتے ہوئے میری ایک تقریر کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ۲۷ مئی ۱۹۹۰ء کو دہلی میں، میں نے

اپنی اس تقریر میں کہا تھا کہ ہندوستان سے کشمیر کی علیحدگی ناگزیر ہے۔ میں اس بے بنیاد اور سراسر غلط الزام کی سختی سے تردید کرتا ہوں، میں نے اپنی کسی تقریر میں اس طرح کی کبھی کوئی بات نہیں کہی بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ۲۷ رمئی کی اس تاریخ سے صرف چار دن پہلے ۲۳ رمئی ۱۹۹۰ء کو بھی جماعت اسلامی ہند کی مرکزی مجلس شوریٰ نے کشمیر کی صورتحال کے پیش نظر ایک قرارداد منظور کر کے واضح کر دیا تھا کہ کشمیر جیسی پیچیدہ صورتحال میں فضا کو معمول پر لانے، پر امن گفت وشنید کا ماحول پیدا کرنے اور مسئلے کو حل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ وہاں کا نظم (گورنر مسٹر جگموہن کے بجائے) کسی سنجیدہ اور حکمت و تدبر سے کام لینے والے ذمے دار فرد کے سپرد کیا جائے۔ قرارداد میں کشمیری عوام سے بھی اپیل کی گئی تھی کہ وہ صبر و تحمل سے کام لیں اور مسئلے کے حل کے سلسلے میں اپنا موقف پر امن فضا میں واضح کرنے کی کوشش کریں۔ (سہ روزہ دعوت ۱۹ ردسمبر ۱۹۹۲ء)

یہ بات تو امیر جماعت سے متعلق تھی رہے نائب امیر جماعت مولانا عبدالعزیز صاحب تو انھوں نے الزام کی پرزور تردید کرتے ہوئے کہا:

اخبارات کے ذریعے معلوم کر کے سخت تعجب ہوا کہ مالیر کوٹلہ میں یکم اگست ۱۹۹۱ء کو کی گئی مبینہ تقریر میں میں نے حکومت ہند سے کشمیر میں استصواب عامہ کا مطالبہ کیا ہے۔ میں یہ صاف طور سے کہنا چاہتا ہوں کہ نہ صرف مالیر کوٹلہ میں بلکہ پورے ملک کی مختلف ریاستوں میں، میں نے اپنے دوروں کے دوران تقریریں کیں یا جن پریس کانفرنسوں کو یا سمپوزیم کی نشستوں کو مخاطب کیا ان میں کہیں بھی میں نے اس طرح کی بات نہیں کی ہے۔ ہماری جماعت کا ہمیشہ سے یہ موقف رہا ہے۔ جمہوریت کا فطری اور لازمی تقاضا ہے کہ کشمیر کے مسئلہ کے بارے میں وہاں کے سیاسی و مذہبی رہنماؤں سے گفت وشنید کی جائے اور اس مسئلہ کا حل تلاش کیا جائے۔ جماعت کے قائدین ہی نہیں بلکہ ایک عام کارکن بھی جماعت کے اس موقف سے ہٹ کر کوئی بات نہیں کر سکتا، کجا کہ امیر جماعت اور نائب امیر جماعت ایسی بات کہیں۔ (رہنمائے دکن ۱۲ ردسمبر ۱۹۹۲ء)

جماعت نے پابندی عائد کرنے والے احکام اور جن قواعد اور جس قانون کے تحت اس سلسلے کا اعلامیہ جاری کیا گیا تھا، ان سب کے دستوری جواز کو سپریم کورٹ میں چیلنج کر دیا۔

۱۸ ر مارچ ۹۴ء کو سپریم کورٹ آف انڈیا نے حکومت ہند کے اعلامیہ کے اس جز کو غلط قرار دیتے ہوئے کالعدم کر دیا، جس کے ذریعہ مرکزی سرکار نے معقول تحریری وجوہ بتائے بغیر

جماعت اسلامی ہند پر ۱۰ ردسمبر ۹۲ء سے پابندی والے حکم کا فی الفور نفاذ کر دیا تھا۔ جسٹس پی۔ بی۔ ساونت اور جسٹس ایس موہن پر مشتمل ڈویژن بنچ نے مقدمہ کی سماعت کو صرف اس نکتہ پر مرکوز رکھا کہ قانونی سرگرمیوں کی روک تھام کے قانون مجریہ ۱۹۶۷ء کی دفعہ ۳ ذیلی دفعہ (۳) کے شرطیہ فقرہ میں مرکزی سرکار کو جو اختیارات دیے گئے ہیں کہ کسی جماعت پر پابندی کے نفاذ کو ٹریبونل کی توثیق سے قبل فی الفور لاگو کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ اس کی شدید وجوہ پائی جاتی ہوں اور ان سے متاثر وجماعت کو تحریری طور پر آگاہ کیا گیا ہو آیا ان اختیارات کا استعمال صحیح طور پر ہوا ہے کہ نہیں۔

کورٹ نے اپنے فیصلہ میں لکھا کہ ۱۳ ر جنوری ۱۹۹۳ء کو جناب محمد جعفر صاحب کی رٹ پٹیشن داخل کی گئی تھی۔ اس کے علاوہ جناب احمد علی اختر اور جناب قمر الہدیٰ صاحبان نے پٹنہ ہائی کورٹ کے اس فیصلہ کے خلاف اپیل کی تھی جس میں مرکزی حکومت کے حکم کو جائز قرار دیا گیا تھا۔ مگر جو دستاویزات فراہم کی گئیں ان میں پابندی کے فی الفور نفاذ کی وجہ جواز کا کوئی مواد نہیں پایا گیا جب کہ پابندی کے لیے جو وجوہ اعلامیہ میں بیان کیے گئے ہیں ان سے الگ اور ممیز وجوہ کے بغیر مرکزی سرکار فوری طور پر پابندی کا نفاذ نہیں کر سکتی۔ یہ بھی ضروری ہے کہ ان وجوہ سے متاثرہ جماعت کو تحریری طور پر آگاہ کیا جائے۔

سپریم کورٹ نے جماعت پر پابندی کے اصل وجوہ کو بھی فرسودہ (Stale) بتایا۔ کیوں کہ امیر جماعت مولانا محمد سراج الحسن صاحب سے منسوب بیان مئی ۱۹۹۰ء کا اور مولانا عبدالعزیز صاحب نائب امیر جماعت سے منسوب تقریر اگست ۱۹۹۱ء کی ہے۔ ان وجوہ کو اگر قابل اعتنا سمجھا بھی جائے تو ان سے کسی طرح کی ارجنسی والی بات سمجھ میں نہیں آتی لہٰذا اپنے اس ریمارک کے ساتھ سپریم کورٹ نے اعلامیہ کے اس آخری جز کو جس کے ذریعہ جماعت پر پابندی کا نفاذ فوری طور پر ۱۰ ردسمبر ۱۹۹۲ء سے کیا گیا غلط قرار دیتے ہوئے اس کو کالعدم قرار دیا ہے اور پٹنہ ہائی کورٹ نے ۲ ر مارچ ۹۳ء کو جو فیصلہ دیا تھا اس کو بھی خارج کر دیا ہے۔ اعلامیہ کے جواز یا عدم جواز سے متعلق سپریم کورٹ نے اپنی کوئی رائے نہیں دی تھی کیوں کہ معاملہ ٹریبونل کے زیر سماعت تھا۔

سپریم کورٹ کا فیصلہ آنے پر جسٹس ناگ جو اس وقت ٹریبونل کے چیئر مین تھے وہ اپنی ذمے داری سے مستعفی ہو گئے۔ اب الٰہ آباد ہائی کورٹ کے جج جسٹس پی ایم لال کو ٹریبونل کا چیئر مین مقرر کیا گیا، جس نے اپنے فیصلے میں جماعت اسلامی ہند پر پابندی کو درست قرار دیا۔

جماعت اسلامی ہند کی جانب سے اس کے سکریٹری جنرل جناب محمد جعفر صاحب نے ۱۸ر اپریل ۹۴ء کو سپریم کورٹ آف انڈیا میں ٹریبونل کے اس فیصلے کے خلاف اپیل داخل کی۔ انھوں نے قانون انسداد غیر قانونی سرگرمیاں بابت ۱۹۶۷ء اور قواعد ۱۹۶۸ء کی دستوری حیثیت کو چیلنج کرتے ہوئے علیحدہ سے ایک رٹ درخواست بھی سپریم کورٹ میں داخل کردی۔

سات دسمبر ۱۹۹۴ء کو ہندوستانی سپریم کورٹ نے جماعت اسلامی ہند پر حکومت کی عائد کردہ پابندی کو کالعدم قرار دے دیا۔ جج صاحبان نے فیصلہ سناتے ہوئے کہا کہ ٹریبونل کا کام یہ ہے کہ وہ اس بات کا فیصلہ کرے کہ کیا کسی تنظیم کو غیر قانونی قرار دینے کے لیے کافی مواد موجود ہے۔ ٹریبونل کا یہ کام بھی ہے کہ وہ اپنے سامنے پیش کیے گئے مواد کی صحت کے بارے میں فیصلہ کرے۔ فاضل ججوں نے مزید کہا کہ ٹریبونل کے لیے کم سے کم بند کمرے میں گواہوں پر جرح لازمی ہے۔ قانون کی دفعات کا مطالعہ کرنے اور اس قانون کی دفعہ ۴ جس کے تحت یہ ٹریبونل تشکیل کی گئی تھی، کا جائزہ لینے کے بعد عدالت اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ ٹریبونل صرف ایک مشاورتی بورڈ نہیں ہے بلکہ ایک عدالتی ٹریبونل ہے اور اس کو ایک عدالت کا مقام حاصل ہے۔ فیصلہ میں فاضل ججوں نے مزید کہا کہ یو اے پی اے ٹریبونل اپنے سامنے پیش کیے گئے مواد کے بارے میں واقعیت پر مبنی فیصلہ کرنے میں ناکام رہا۔ اس لیے اپیل منظور کی جاتی ہے کہ ۱۰ دسمبر ۱۹۹۲ء کو جاری شدہ نوٹیفکیشن منسوخ کیا جاتا ہے، جس کے تحت جماعت اسلامی ہند پر پابندی لگادی گئی تھی۔

اپریل ۱۹۸۱ء

جماعت کی مرکزی مجلس شوریٰ کی منظور شدہ قراردادیں:

بین الاقوامی حالات اور جماعت اسلامی ہند

- افغانستان کے مسئلے پر بڑی طاقتوں کا جو نارواردیہ ہے اس سلسلے میں حکومت ہند کو خیر خواہانہ رول ادا کرنا چاہیے۔
- ملک کی پابندِ آئین جمہوری فضا کی بحالی و برقراری کے سلسلے میں سیاسی، سماجی، پارٹیوں کے رہنماؤں اور مسلمانوں خاص طور پر علماء کی ذمہ داریوں کی یاددہانی۔ تاکہ بلا امتیاز ہر فرد، ہر جماعت اور ہر اک تہذیبی اکائی کو طے شدہ حقوق سے صحیح معنی میں متمتع ہونے کا موقع ملے۔
- اجتماع عام ۲۰، ۲۱، ۲۲ر فروری ۸۱ء کی کامیابی پر اللہ تعالیٰ کے شکر اور تعاون کرنے والوں کے شکریہ کی قرارداد۔

اگست ۱۹۸۱ء

درج ذیل کمیٹیوں کو مستقل کردیا گیا۔

- اسلامی صحافت کمیٹی کنوینر جناب محمد مسلم صاحب
- بلاسودی قرض سوسائٹی کنوینر سید حامد حسین
- مساجد کمیٹی "مولانا مظہر الحق قاسمی بہ معاونت مولانا عبدالغفار ندوی"
- گھریلو صنعتیں اور کوآپریٹیو اداروں سے متعلق کمیٹی کنوینر رشید عثمانی صاحب
- مزدوروں اور کسانوں کے مسائل سے متعلق کمیٹی کنوینر جناب عبدالفتاح صاحب
- کمیٹی برائے تعلیمات کنوینر افضل حسین صاحب

درج ذیل عنوانات پر قراردادیں منظور کی گئیں

(۱) صیہونی مظالم
(۲) ایران عراق جنگ

(۳) مہنگائی و بے روزگاری

اکتوبر ۱۹۸۱ء

طلبہ کی تنظیم مقرر کردہ کمیٹی ایس آئی ایم اور جماعت کی زیر سرپرستی کام کرنے والی طلبہ کی تنظیموں اور حلقہ ہائے طلبہ کے نمائندوں پر مشتمل ایک میٹنگ میں تبادلۂ خیال کے بعد سفارشات پیش کی گئیں کہ طلبہ کل ہند سطح پر جماعت اسلامی ہند کی سرپرستی میں کام کریں گی۔ ایس آئی ایم اور دوسری طلبہ تنظیموں کے مابین تبادلہ خیال کا موقع فراہم کیا گیا۔

فروری ۱۹۸۲ء

- پالیسی پروگرام برائے اکتوبر ۸۱ء تا مارچ ۸۶ء پر نظر ثانی کی گئی۔
- مہاراشٹر کے بارامتی، پونے اور شولا پور وغیرہ کچھ مقامات پر "وشو ہندو پریشد" اور "پتیت پاون" وغیرہ تنظیموں کے جلوسوں کے بعد رونما ہونے والے فسادات پر اظہار افسوس اور اس کی مذمت کرتے ہوئے حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ تباہ حال لوگوں کو مکمل امداد دے۔ مظلوموں کی صحیح طور پر دادرسی ہو، فسادات کے ذمہ داروں کو قرار واقعی سزا دلائی جائے اور نظم و نسق کو پورے طور پر درست رکھا جائے۔
- دیولی اور سادھو پور (اتر پردیش) وغیرہ میں ہریجنوں پر مظالم اور ان کے سفاکانہ قتل کی مذمت اور تشویش و افسوس کا اظہار کرتے ہوئے حکومت اور عوام کو ان کی ذمہ داری یاد دلائی گئی۔
- ایران، عراق جنگ پر تشویش اور جانی مالی نقصانات پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے، اپیل کی گئی کہ برادر کشی کا سلسلہ فوراً بند کیا جائے اور معاملات جنگ کے بجائے برادرانہ گفت وشنید سے طے کئے جائیں۔

اپریل ۱۹۸۲ء

- طلبہ تنظیموں کے نمائندوں پر مشتمل ایک ایڈہاک کمیٹی کی تشکیل کی گئی۔ اس کے کنوینر محمد شفیع مونس کی صدارت میں کمیٹی کا اجلاس ہوا، طلبہ تنظیم کا دستور مرتب کرکے اگست

۸۲ء کے اختتام تک سرپرست اعلیٰ کو بھیجا گیا۔ طے کیا گیا کہ امیر جماعت تنظیم کے سرپرست اعلیٰ ہوں گے اور ہر تنظیمی حلقے کا امیر اپنے حلقے میں تنظیم کا سرپرست ہوگا۔

درج ذیل عنوانات پر قراردادیں منظور ہوئیں:

- ملکی حالات اور فرقہ وارانہ امن و آشتی
- مسجد اقصیٰ کا حادثہ
- افغانستان کے خلاف روسی جارحیت
- ایران عراق جنگ

اپریل، مئی ۱۹۸۳ء

- چار سالہ میقات میں مجلس نمائندگان کے دو اجلاس ہوں گے۔ ایک میقات کے شروع میں اور دوسرا میقات کے وسط میں۔

درج ذیل عنوانات پر قراردادیں منظور ہوئیں:

- آسام کے فسادات کی مذمت، جانی مالی نقصانات پر اظہار افسوس، حکومت کی ذمہ داریوں کی یاددہانی اور ریلیف ورک کی ضرورت۔
- ملک کی فرقہ وارانہ صورت حال پر اظہار رائے اور باشندگان ملک کو حالات کو پرامن رکھ کر بھائی بھائی بن کر رہنے کی تلقین۔
- پنجاب کی قابل توجہ صورت حال کے پیش نظر حکومت اور اکالی قیادت سے اپیل کہ وہ کش مکش کے بجائے اختلافی و نزاعی معاملات پر پرامن گفت وشنید کی راہ اختیار کریں۔

موجودہ اخلاقی انحطاط اور اس کے نتیجے میں زندگی کے تمام میدانوں میں خرابی کی طرف باشندگان ملک کی توجہ دہانی۔

نومبر، دسمبر ۱۹۸۳ء

امیر جماعت نے شوریٰ کے مشورے سے علاقائی نظام اور ان کے ضوابط طے کئے۔

اپریل ۱۹۸۴ء

- دلی جواب سے پہلے علاقہ تحت مرکز تھا اسے ایک تنظیمی حلقہ قرار دیا گیا۔
- پارلیمانی الیکشن کے مسئلے پر غور و فیصلے کے لیے مرکزی مجلس شوریٰ کے اجلاس کی تاریخوں کا تعین اکتوبر ۸۴ء کے پہلے عشرے میں۔ اور شروع سے اب تک الیکشن کے سلسلے میں شوریٰ کے تمام متعلقہ فیصلوں کی اشاعت ارکان جماعت کے لیے

قراردادیں درج ذیل عنوانات پر:

درج ذیل عنوانات پر قراردادیں منظور ہوئیں۔

- اخلاقی انحطاط
- آثار قدیمہ کی مساجد کا مسئلہ
- پنجاب کی موجودہ لاقانونی صورت حال
- عراق و ایران جنگ
- لبنان کی کشیدہ صورت حال اور تقسیم کی تجویز پر اظہار تشویش
- افغانستان کی صورت حال اور سوویت یونین کی مداخلت
- سری لنکا کے پر تشدد واقعات اور مجلس شوریٰ کا اظہار تشویش

اکتوبر ۸۴ء

- ماہ نومبر ۸۴ء میں الیکشن کے مسئلے پر غور کے لیے دلی میں اجلاس کا فیصلہ

قراردادیں درج ذیل عنوانات پر:

- ایودھیا کی بابری مسجد، بنارس اور متھرا کی دو قدیم مساجد کو مندر میں تبدیل کرنے کی مہم اور مجلس شوریٰ کا اظہار تشویش
- مہاراشٹر، گجرات، کرناٹک، آندھرا پردیش، اتر پردیش اور بعض دیگر ریاستوں کے فسادات پر افسوس و تشویش اور متاثرین سے دلی ہمدردی کا اظہار اور حکومت کو منصبی ذمہ داریوں کی یاد دہانی

نومبر ۸۴ء

مسز اندرا گاندھی کے بہیمانہ قتل کی مذمت۔ اظہار اور تعزیت۔

فروری ۸۵ء

- رائے دہندگان کی رہنمائی کے لیے الیکشن کے امیدواروں کے ضروری اوصاف کا تعین، رائے دہی سے متعلق مرکزی مجلس شوریٰ کے طے کردہ شرائط اور طریقہ کار کو بھی نگاہ میں رکھنا ضروری ہے۔

نومبر ۱۹۸۵ء

- مشترک ملی تنظیموں کے مناسب احتجاجات سے متعلق فیصلے اور جماعت کی شرکت اور تعاون۔
- ناگزیر گرفتاری کی صورت میں عملی اقدام۔
- شرعی پنچایتوں کے قواعد و ضوابط کی ترتیب سے متعلق کمیٹی کی تشکیل مولانا سید احمد عروج قادری، مولانا سید جلال الدین عمری رکن اور سید یوسف صاحب (کنوینر) مقرر کیے گئے۔

اپریل ۸۶ء

- مرکزی مجلس شوریٰ کے الیکشن کے فیصلوں پر غلط پروپیگنڈے کی وضاحت اور تردید۔ مخالفین تحریک نے عوام کو گمراہ کرنے کی جو کوشش کی، اس کے ردعمل کے طور پر ایک قرارداد منظور کی گئی تاکہ غلط پروپیگنڈے کے اثرات قبول نہ کیے جائیں۔

جولائی ۸۶ء

قراردادیں درج ذیل عنوانات پر:

- فرقہ وارانہ فسادات کی لہر اظہار تشویش
- نارو اعسکریت پسندی اور جنگجویانہ ذہنیت پر تنقید

- بابری مسجد
- پنجاب کی تشویش ناک صورت حال اور بے حالی امن کی صورت پر اظہار رائے
- مسلم مطلقہ قانون
- شرعی پنچایتوں سے متعلق کمیٹی کی رپورٹ اور اس کے لیے قواعد وضوابط کا تعین

- اخلاقی زوال پذیری اور حکومت کا رول
- تہذیبی جارحیت اور سرکاری ذرائع سے ایک خاص دھرم اور سنسکرتی کی اشاعت کے سلسلے میں حکومت کا رول
- بابری مسجد کے خلاف رام مندر کی تعمیر کے نام پر غلط و بے بنیاد پروپیگنڈہ اور رام مندر کی تعمیر کے نام پر جارحانہ فرقہ پرستی کا رویہ
- مشرقی ہند کے فرقہ پرستانہ ہنگامے اور مظلومین کا جانی و مالی نقصان

مئی ۹۰ء

قراردادیں درج ذیل عنوانات پر:

- ملائم سنگھ حکومت نے مسجد کے خلاف فساد پسند عناصر کو روکا اور مخالفانہ دھمکیوں کی نامعقولیت سے عوام کو باخبر کیا۔
- عالمی رائے عامہ کی تحسین کہ مختلف ملکوں کے خاص طور پر پڑوسی ملکوں کے درمیان بھائی چارے کی فضا بحال کی جائے
- آسام گن پریشد کی نئی حکومت کو اس امر کی یاددہانی کہ وہ اپنے وعدوں اور ذمہ داریوں کا پاس ولحاظ نہیں کر رہی ہے، جو اقلیتوں، ریاست آسام اور پورے ملک کے نقصان کا باعث ہو سکتی ہے۔
- مسئلہ فلسطین ایک طرف انتفاضے کے نام فلسطینوں کی بیداری اور دوسری طرف مختلف ملکوں سے یہودیوں کو لا کر وہاں آباد کرنے کی سازش
- ایک مرکزی وزیر کا بیان جو غلط فہمی کا باعث ہو سکتا ہے، اس کے پیش نظر وزیر اعظم سے

مطالبہ کہ اپنے وعدے کو ایفا کرنے کے سلسلے میں وزراء کو پابند کیا جائے اور دستور ہند کی دفعہ ۴۴ سے مسلمانوں کو مستثنیٰ کیا جائے

- وسطی ایشیا کی مسلم جمہوریتوں میں حق خودارادیت کی حمایت
- مسئلہ کشمیر کے سلسلے میں حکومت سے مطالبہ کہ انتظامیہ کی عاقبت نااندیشی اور سخت گیری کی روک تھام کی جائے۔

نومبر ۹۰

ریاست ہریانہ کی حلقہ پنجاب سے علاحدگی اور اس کا حلقہ دہلی پردیش سے الحاق۔
درج ذیل قراردادیں منظور کی گئیں:

- کویت پر عراق کا غیر دانش مندانہ قبضہ اور طرفین کو مسائل کے پر امن حل کے لیے طرفین کا مشورہ۔
- منڈل کمیشن کی حمایت معقول حدوں میں۔

اپریل مئی ۹۱ء

قراردادیں درج ذیل عنوانات پر:

- ملک کی قابل توجہ صورت حال
- خلیجی جنگ، صیہونی امریکی سازشیں اور اپنوں کی غلطیاں

ستمبر اکتوبر ۹۱ء

قراردادیں درج ذیل عنوانات پر:

- قابل توجہ ملکی صورت حال: عبادت گاہوں کے تحفظ کا بل ۱۵ راگست ۱۹۴۷ سے قبل کی حیثیت کو برقرار رکھنے سے متعلق
- ملک کی موجودہ قابل توجہ معاشی صورت حال
- مسئلہ فلسطین اور وسط ایشیا کی مسلم جمہوریتیں۔

اپریل ۹۲ء

درج ذیل قراردادیں منظور کی گئیں:

- الجزائر کی اسلامی تحریک پر فوجی امروں کی جانب سے مظالم ڈھائے جارہے ہیں، الیکشن کے نتائج کو تسلیم نہ کرنے پر ان کی مذمت اور جمہوریت کی راہ مسدود کرنے کی کوشش اور آمریت کی تائید وحمایت پر اظہار افسوس۔
- برمی فوجی حکمرانوں کے "روہنگیا" مسلمانوں پر مظالم کی مذمت
- معاملات طے کرتے وقت مختلف ملکوں کے ساتھ امریکہ کی روش کو سامنے رکھ کر احتیاط سے کام لینے کی ضرورت
- حکومت ہند کو مشورہ کہ وہ اسرائیل حکومت سے اپنے سفارتی اور دوسرے قسم کے تعلقات بڑھانے کے سلسلے میں ضروری احتیاط سے کام لے۔

اپریل ۱۹۸۷ء

- لوکل باڈیز اور گرام پنچایتوں کے انتخابات سے متعلق مرکزی مجلس شوریٰ کا فیصلہ اور طے شدہ شرائط۔

قراردادیں ذرجہ ذیل عنوانات پر:

- قرآن کریم کے خلاف بے بنیاد گھناؤنا پروپیگنڈہ اور اس کی مدلل تردید و مذمت
- اخلاقی بحران اور اسے رفع کرنے کی طرف توجہ دہانی
- مسلمانوں کے عائلی قوانین، مسلم پرسنل لاء میں مداخلت صریح طور پر دین میں مداخلت ہے
- حکومت کو عدل وانصاف اور دانش مندانہ اقدام کی توجہ دہانی

مارچ ۸۸ء

قراردادیں درج ذیل عنوانات پر:

- افغانستان پر روسی عسکری جارحیت

- فلسطین کا مسئلہ اور اسرائیلی بربریت کے مظاہرے
- ملک کے لیے فرقہ وارانہ منافرت باعث نقصان ورسوائی اور اس پر اظہار افسوس
- ایران، عراق جنگ کا تسلسل اور اظہار تشویش

جنوری ۸۸ء

- کل ہند مجلس مشاورت کی جانب سے مجوزہ ملی کونشن کے انعقاد سے اتفاق چند شرائط کے ساتھ۔
- حکومت کی جانب سے دینی اداروں میں سیاسی مسائل پر اظہار خیال پر ممانعت اور مجلس شوریٰ کا اظہار رائے۔
- اورنگ آباد وغیرہ کے فسادات کی مذمت اور نقصانات پر افسوس وتشویش کا اظہار
- مسئلہ فلسطین کے سلسلے میں منصفانہ اور بے اعتدالانہ رویے پر اظہار تاسف۔
- ایران عراق جنگ
- بابری مسجد کا مسئلہ اور حکومت کو منصفانہ و دانش مندانہ راہ اختیار کرنے کے لیے توجہ دہانی

مئی ۱۹۸۹ء

قراردادیں درج ذیل عنوانات پر:

- مسئلہ افغانستان اور استعمار اور مجاہدین کی حوصلہ مندی
- مسئلہ فلسطین اور عالمی امن وسلامتی کو خطرہ

اکتوبر ۹۲ء

مسلم مجلس مشاورت

- ایسی ترمیم جس سے ملت کی صحیح معنوں میں نمائندگی ہوسکے
- مجلس عاملہ اور عہدیداران کا انتخاب
- متعلقہ معاملات کی درستی

اجلاس مجلس شوریٰ اپریل ۹۴ء

قراردادیں درج ذیل عنوانات پر:

- مسئلہ کشمیر کے سلسلے میں حکمرانوں کو سیاسی و انتظامی سطح پر حل کرنے کے لیے جماعت کا مشورہ اپنے حل کیے حکمرانوں کو متوجہ کرتا ہے کہ وہ سیاسی و انتظامی سطح پر اس کے حل کی تدابیر اختیار کریں
- ٹاڈا ایک قابل اعتراض قانون اور اس کا غلط استعمال
- مسئلہ افغانستان اور وہاں کی موثر شخصیتوں گلبدین حکمت یار اور برہان الدین ربانی اور کچھ قبائل کے درمیان ناروا تصادم پر افسوس و تشویش کا اظہار
- مسجد ابراہیمی فلسطین میں نمازیوں کے قتل عام کی مذمت اور اظہار افسوس
- سابق جمہوریہ بوسنیا ہرزے گووینا میں سفاکانہ مہم کی مذمت اور اقوام متحدہ اور مغربی ممالک کی دورخی پالیسی پر تنقید
- جماعت اسلامی ہند کی سرگرمیوں پر عائد شدہ پابندی کالعدم قرار دے دی گئی سپریم کورٹ کے فیصلے کا خیر مقدم

اجلاس مجلس شوریٰ دسمبر ۹۴ء

- ایس آئی ایم سے متعلق اکتوبر ۹۲ء فیصلے کی برقراری۔

درج ذیل قراردادیں منظور کی گئیں:

- ملک کی موجودہ صورت حال اخلاقی قدروں کی بے حرمتی اور حقوق انسانی کی پامالی پر اظہار تشویش
- سپریم کورٹ کے مورخہ ۷ دسمبر ۹۴ء کے فیصلے کا خیر مقدم اور قرارداد تشکر
- بابری مسجد کے انہدام پر حکومت کی جانب سے جماعت اسلامی ہند کی سرگرمیوں پر پابندی کی مذمت، جس کے ذریعے باشندگان ملک کی خدمت سے جماعت کو محروم کیا گیا۔

اجلاس مجلس شوریٰ اپریل ۹۵ء

- ہر تنظیمی حلقے کی مجلس شوریٰ کا کورم ٪۶۰ ہوگا

اجلاس شوریٰ (منعقدہ بنگلور) جون ۹۵ء

- حسب قاعدہ میقاتی پالیسی پروگرام پر نظر ثانی
- نائب امرا اور سکریٹری صاحبان کے تقررات

قراردادیں درج ذیل عنوانات پر:

- یکساں سول کوڈ، مسلمانوں کے عائلی قوانین میں مداخلت کی مخالفت
- ٹاڈا کے غیر عادلانہ قانون کے خاتمہ پر یک گونہ اظہار اطمینان اور اس توقع کا اظہار کہ حکومت آئندہ کسی غیر عادلانہ قانون سازی کی کوشش نہیں کرے گی۔
- قابل تشویش پستی و انحطاط پر کرب و اضطراب کا اظہار

اجلاس مرکزی مجلس شوریٰ اکتوبر ۹۵ء

قراردادیں درج ذیل عنوانات پر:

- پارلیمانی انتخابات سے متعلق ملک کے عوام کے اس رجحان کا خیر مقدم کہ وہ جمہوری فضا کو برقرار رکھنے اور اسے پروان چڑھانے کے خواہش مند ہیں۔
- سماجی عدل کی بنیادوں کو حتی برقرار رکھنے کا مشورہ۔
- معاشرے کو بدعنوانی سے پاک کیا جائے
- ٹاڈا کے گرفتار شدگان کو عموم رہائی رکھنے پر اظہار تشویش
- بابری مسجد حق ملکیت سے متعلق مقدمات کی روز بروز سماعت ہو اور فیصلہ جلد سامنے آئے
- یکساں سول کوڈ کی مخالفت اور اقلیتوں کے عائلی قوانین (پرسنل لاء) سے متعلق تحفظ کی یقین دہانی از روئے دستور ضروری۔

اجلاس مرکزی مجلس شوریٰ جولائی

- مولانا سید جلال الدین عمری کے مرکز میں قیام کا فیصلہ امیر جماعت کی غیر موجودگی میں وہی ان کے قائم مقام ہوں گے۔

اجلاس مجلس شوریٰ جولائی ۹۷ء

قرارداد یں درج ذیل عنوانات پر:

- ملک کی سیاسی صورت حال کی اصلاح کی توجہ دہانی
- لکھنؤ کے شیعہ سنی تنازعے کے حل کی قابل اطمینان پیش رفت
- مسئلہ کشمیر کے پائیدار حل کے لیے سنجیدہ کوشش کی ضرورت
- جامعہ ملیہ اسلامیہ کو VC سے متعلق درپیش مسئلے پر توجہ کی دہانی

اجلاس مجلس شوریٰ نومبر ۹۸ء

ارکان کے کل ہند اجتماع منعقدہ حیدرآباد کے بارے میں طے کرتے وقت جماعت کی مرکزی مجلس شوریٰ نے طے کیا تھا کہ اس اجتماع کے بعد ملک کے چار اہم مقامات پر منطقہ وار اجتماعات منعقد کئے جائیں گے تاکہ ارکان جماعت کے علاوہ جماعت سے دلچسپی رکھنے والے دوسرے حضرات کو بھی کسی ایک منطقہ کے اجتماع میں شرکت کا موقع مل سکے۔ چنانچہ ان اجتماعات کا سلسلہ ۳۰ر اکتوبر ۱۹۹۸ء سے شروع ہوا۔ سب سے پہلا شمالی ہند کا اجتماع ۳۰ر اکتوبر تا یکم رنومبر ۹۸ء کو، الٰہ آباد میں، دوسرا اجتماع مغربی ہند کا اجتماع ۱۱ر تا ۱۳ر دسمبر ۹۸ء کو ممبرا (ممبئی) میں، تیسرا اجتماع جنوبی ہند کا ۱۹ر تا ۲۱ر فروری ۱۹۹۹ء کو بنگلور میں اور چوتھا یا آخری اجتماع مشرقی ہند کا ۲۶ر تا ۲۸ر فروری ۱۹۹۹ء کو دھلیا نوالہ ضلع مرشدآباد مغربی بنگال میں منعقد ہوا۔ اجتماعات کے طے شدہ ایجنڈے کے پیش نظر جو پروگرام زیر عمل لائے گئے ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:

اجتماع شمالی ہند منعقدہ الٰہ آباد

یہ اجتماع ۶ر اجلاسوں اور خاص طور پر جماعت کے مختلف ذمہ داروں کے ۹ر موضوعات خطابات وتقاریر پر مشتمل تھا۔

امیر جماعت مولانا محمد سراج الحسن صاحب نے اپنی افتتاحی تقریر میں شرکا کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہم مسلمانوں پر بندگان خدا تک خدا کا دین پہنچانے کی جو ذمہ داری ہے وہ ٹھیک طور پر ادا نہیں ہوسکا ہے، جس کا ایک اہم سبب یہ ہے کہ اس کے لیے ہمارے درمیان جو

اتحاد و اتفاق کی ضرورت ہے وہ موجود نہیں ہے۔ جماعت نے اس معاملے میں اپنی ذمے داری ادا کرنے کی کوشش تو ضرور کی مگر اس کا حق ادا کرنے کے لیے صاحب صلاحیت افراد اور وسائل کی ضرورت ہوتی ہے، اس کی کمی کے باعث اس کا حق ادا نہیں ہوسکا۔ یہی نہیں بلکہ خود مسلمانوں کی کثیر تعداد میں بھی دین کا فہم وشعور صحیح معنوں میں بہت کم بیدار ہوسکا ہے۔

اجتماع کے موضوع ''ففروا الی اللہ'' (اپنے رب اللہ کی طرف دوڑو) کا ذکر کرتے ہوئے امیر جماعت نے کہا کہ دراصل بندگان خدا تک اس پیغام کا پہنچانا اور ملت اسلامیہ کو اس ضمن میں اس کی منصبی ذمہ داری یاد دلانا ہی اس عام اجتماع کا اصل مقصد ہے۔

ملک کے درپیش مسائل کا ذکر کرتے ہوئے امیر جماعت نے توجہ دلائی کہ ان کے حل کی طرف بہ جا طور پر صرف اسی صورت میں پیش رفت ہوسکتی ہے، جبکہ باشندگان ملک، خاص طور پر ملک کی سیاسی پارٹیاں صحیح شعور کے ساتھ اخلاقی اصولوں کو اپنائیں۔ ان اصولوں کو نظر انداز کرنے ہی کا نتیجہ ہے کہ ملک نے سائنس وٹکنالوجی وغیرہ کے میدان میں جو ترقی کی ہے اس سے بھی عوام طور پر مستفید نہیں ہورہے ہیں اتنا ہی نہیں بلکہ عوام کو ذمے داروں پر وہ اعتماد حاصل نہیں ہے، کسی بھی معاملے میں پیش رفت کے لیے ازبس ضروری ہے۔

اجتماع کے افتتاحی سیشن کو خطاب کرتے ہوئے مولانا سید جلال الدین عمری نائب امیر جماعت نے کہا کہ بندگان خدا کو ''ففروا الی اللہ'' کا پیغام دینا ہمیشہ کی طرح آج کا بھی سب سے اہم کام ہے۔ خدا کا پیغام جب پیغمبر اس دنیا میں لے کر آئے تو انسانی وقار معدوم تھا۔ انسان چوری، زنا کاری اور واردات وغیرہ کے مختلف جرائم کی گہری دلدل میں پھنسا ہوا تھا۔ اس پیغام حق نے اس کی رہنمائی کی، نتیجے کے طور پر صحت مند معاشرہ وجود میں آتا رہا۔

آج بھی اسی طرح کی بہت سی برائیاں ہمارے سماج میں پھیلی ہوئی ہیں، جن سے نجات کے لیے کوشش ضروری ہے۔

ان تقریروں کے بعد ناظم اجتماع مولانا ظہیر عالم فلاحی نے مختصراً اپنے خطبۂ استقبالیہ میں جماعت اسلامی ہند کی تشکیل جدید سے متعلق حالات پر روشنی ڈالی۔

مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن مولانا محمد یوسف اصلاحی نے خطبہ جمعہ میں لوگوں کو خدا کی

بندگی کی دعوت دیتے ہوئے کہا کہ اللہ کے نزدیک یہ نہایت پسندیدہ بات ہے کہ اس کے بندے اس کی طرف پلٹ آئیں اور اسی کے حضور سجدہ ریز ہوں۔

مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن ڈاکٹر حسن رضا صاحب نے ''ہندستان میں سماجی انصاف کا مسئلہ'' کے عنوان پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ملک کے تمام باشندوں کو سماجی انصاف اور یکساں مساوات کا درجہ حاصل ہونا چاہیے۔ اور ہدایات وقوانین زندگی کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ جس کی طرف اسلام نے رہنمائی کی ہے۔

ملک کی آزادی کے بعد کے حالات کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ کانگریسی رہنماؤں نے اپنے خیالا سے ملک کے تمام طبقوں کے درمیان مساوات پیدا کرنے کا دعویٰ کیا۔ لیکن صحیح معنوں میں کامیابی نہیں ہوسکی۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اس صورت حال کو محسوس کریں اور ملک میں سماجی انصاف اور مساوات کے لیے موثر کوشش کریں اور تا کہ ان کے حسن سلوک عملی نمونہ سامنے آئے۔

جماعت کے مرکزی سکریٹری مولانا کوثر یزدانی ندوی نے ''دعوت اسلامی اور اس کے مواقع ہمارے ملک ہندوستان میں'' کے عنوان پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ کچھ غیر دانش مند افراد اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مسلسل غلط فہمیاں پیدا کررہے ہیں۔ لیکن یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ غیر مسلم برادران وطن میں ایک قابل ذکر تعداد ان لوگوں کی بھی ہے جو سنجیدگی کے ساتھ اسلام کو جاننا چاہتے ہیں اور اپنی حد تک اس کے لیے کوشاں بھی ہیں۔ اس صورت حال میں مسلمانوں کی ذمہ داری اور شدید ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے قول وعمل سے لوگوں تک اسلام کا پیغام پہنچانے میں کوتاہی نہ کریں۔

جماعت کی مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن ڈاکٹر فضل الرحمن فریدی نے ''ملت اسلامیہ ہند، اس کا منصب اور لائحہ عمل'' کے عنوان پر مجلس مذاکرہ کی صدارت کرتے ہوئے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ انسان کی خود کو خدا سمجھنے کی بھول ہی اس کو اندھیروں کی طرف لے جارہی ہے۔ انسان جب تک اس طرح اپنی قابلیت وصلاحیت پر غلط اور بے جا اعتماد کرتا رہے گا، بربادی کی طرف بڑھتا چلا ہی جائے گا۔ رہنمائی کی روشنی صرف خدا کے پاس ہے۔ ملت اسلامیہ کو اپنی یہ اہم ذمہ داری بناہنی ہے کہ اس کے عمل سے اسلام کو صحیح طور سے سمجھا جاسکے۔ یہ حقیقت

پوری طرح واضح ہو جائے کہ دنیا کے لیے راہ نجات اسی میں ہے کہ وہ یکسو ہو کر اللہ کی رہنمائی کو اختیار کرے اور جہالت کی تاریکیوں میں ٹامک ٹوئیاں مارنے سے خود کو محفوظ کرسکے، وہ خدا کے سوا ہر طرح کی غلامی سے آزاد ہو اور معاشرہ میں خوش آئند انقلاب آسکے۔

مذاکرے میں مولانا نظام الدین اصلاحی، مولانا ولی اللہ سعیدی فلاحی، مولانا محمد طاہر مدنی جناب محمد فاروق خاں اور نصرت علی صاحب امیر حلقہ اتر پردیش وغیرہ نے بھی اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

''اکیسوی صدی اور بھارت کا مستقبل'' کے عنوان پر مذاکرے کی صدارتی تقریر میں جماعت کے سکریٹری اعجاز اسلم صاحب نے کہا کہ اگر باشندگان ملک نے اپنی حالت نہیں بدلی تو ملک کے مستقبل کے سلسلے میں کوئی خوش آیند بات کہنا بہت مشکل ہے۔

مذاکرے میں درج ذیل لوگوں نے بھی اظہار خیال کیا:

ڈاکٹر سید قاسم رسول الیاس ایڈیٹر ماہنامہ افکار ملی، پرنب کرشن شعبہ ہندی الہ آباد یونیورسٹی مگوت پرساد ضلع جج، ملک معتصم صدر ایس آئی او، ڈاکٹر احمد سجاد رانچی یونیورسٹی بہار اور کرپا شنکر یادو۔

اجتماع کے پروگراموں میں خواتین کا ایک مخصوص پروگرام بھی شامل تھا۔ ''ہندستانی خواتین کے مسائل اور اسلام'' کے موضوع پر محترمہ شہناز بیگم صاحبہ بہار نے اور ''تحریک اسلامی بخواتین کا رول'' کے عنوان پر محترمہ انور جہاں صاحبہ دہلی نے تقریر کی۔

اجتماع، ایک خاص اجلاس میں جماعت اسلامی ہند کے جنرل سکریٹری جناب قاری سید محمد جعفر صب نے ''جماعت اسلامی ہند دعوت، مقصد اور طریقہ کار'' نائب امیر جماعت مولانا عبدالعزیز صاحب نے ملک کا موجودہ بحران اور اس کا حل'' کے موضوع پر اور محترم امیر جماعت مولانا سراج الحسن صاحب نے ''جماعت اسلامی ہند کے پچاس سال'' کے عنوان پر خطاب فرمایا۔

اجتماع میں درج ذعنوانات پر قراردادیں بھی منظور کی گئیں:

- برادران وطن سے اپیل
- بابری مسجد
- ملکی حالات کی اصلاح سے متعلق مسلمانوں سے اپیل
- نظام تعلیم میں بے جا مداخلت

- اسلام اور دہشت گردی کا ناروا الزام
- اخلاقی قدروں کا زوال
- سیاست میں گراوٹ
- صحت مند سوسائٹی کی تشکیل کی ضرورت
- کوسووو
- مسلم پرسنل لاء
- عالم اسلام
- افغانستان
- فلسطین

اجتماع عام مغربی ہند ممبرا (ممبئی)

یہ اجتماع ۱۱، ۱۲، ۱۳ دسمبر ۱۹۹۸ء کو منعقد ہوا۔ اجتماع کا پروگرام امیر جماعت اسلامی ہند مولانا محمد سراج الحسن صاحب کی افتتاحی و اختتامی تقاریر، مولانا سید جلال الدین عمری کے خطبۂ جمعہ و درس قرآن، ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی کی تقریر "اقامت دین کے روشن امکانات" کے موضوع پر جماعت کے دیگر افراد کی تقاریر اور آریہ سماجی رہنما جناب سوامی اگنی ویش کے اظہار خیال پر مشتمل تھا۔

امیر جماعت نے اپنی افتتاحی تقریر میں اخلاقی گراوٹ کی شناعت پر توجہ دلاتے ہوئے کہا کہ ہمیں مغربی ملکوں کی صورت حال کو عبرت کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے بلاشبہ مادی لحاظ سے وہ بڑی ترقی کر رہے ہیں۔ لیکن اخلاقی زوال جس تیزی سے بڑھا ہے اور بڑھتا جا رہا ہے اس نے خاص طور پر وہاں کے دانش وروں کو بے چین کر دیا ہے۔ ہمارے ملک کو بھی اسی طرح اخلاقی گراوٹ، سیاسی بے راہ روی، ذات پات کا ناروا امتیاز و عصبیت اور طرح طرح کے جرائم کا سامنا ہے، سنجیدہ توجہ کا شدید تقاضا کرتا ہے۔

امیر جماعت نے اپنی اختتامی تقریر میں فرمایا کہ بندگان خدا کو دعوت سے روشناس کرانے کے لیے ضروری ہے کہ داعی کا اپنا کردار اس دعوت کے شایان ہو۔ اس کے اندر ان تمام اوصاف کی نشوونما کی کوشش ضروری ہے، جو اس عظیم الشان فریضہ کی ادائی کے لیے عین مطلوب ہیں۔ یہ صفات جہاں داعی کے اخلاق و کردار کو مثالی بناتی ہیں وہیں برادران وطن تک پیغام حق پہنچانے میں بھی مددگار ہوتی ہیں، وہیں خود پیروان اسلام کو ان کا فرض منصبی یاد دلانے میں بھی بہترین کردار ادا کرتی ہیں۔ اہل اسلام کے سامنے یہ حقیقت پوری طرح واضح رہنی چاہیے کہ ان کا کام

صرف یہی نہیں ہے کہ وہ خود اللہ تعالیٰ کے سیدھے سچے مطیع و فرماں بردار بننے کی کوشش کریں بلکہ ساتھ ہی یہ ذمے داری بھی ان پر عائد ہوتی ہے کہ وہ اللہ کے دوسرے بندوں تک بھی اس کا پیغام ٹھیک طور پر پہنچانے کے لیے برابر کوشاں رہیں اور ان کا یہ احساس پوری طرح بیدار ہو جانا چاہیے کہ بندگان خدا تک دعوت حق پہنچانے کے سلسلے میں جو کوتاہی ہوتی رہی ہے، اس کی تلافی کے لیے جدوجہد بھی از بس ضروری ہے۔

موصوف نے مسلمانان ہند کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ وہ قول و عمل سے اپنے خیر امت ہونے کا ثبوت دیں اور ملک کی تعمیر و ترقی اور فلاح و بہبود کے لیے خود کو صحیح معنوں میں تیار کریں۔ کیونکہ کسی ایسے شخص سے اس کی بجا طور پر توقع کی جا سکتی ہے جو خدا ترس اور خدا پرست ہو اور بہترین اخلاق و کردار کا حامل ہو۔

جہاں تک حب الوطنی کا تعلق ہے امیر محترم نے فرمایا یہ نہایت قابل قدر فطری جذبہ ہے، جس کی ملک کے ہر باشندے سے توقع کی جاتی ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ حقیقی بنیادوں پر اس جذبے کو پروان چڑھانے کی کوشش جاری رہے۔ یہ کوشش ہر شخص کی طرف سے اپنے لیے بھی اور دوسروں کے لیے بھی اور سوسائٹی کی طرف سے بھی ہونی چاہیے۔

نائب امیر جماعت مولانا سید جلال الدین عمری صاحب نے نماز جمعہ کے خطبہ میں "ففروا الی اللہ" (اللہ کی طرف دوڑو) کی تشریح کرتے ہوئے کہا کہ انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کی ہدایت و رہنمائی ناگزیر ہے، اس کے بغیر اس کی زندگی سراسر ناکام ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دنیا کے مختلف ملکوں اور زمانوں میں بے شمار لوگوں نے انسانی زندگی کے لیے راہیں نکالنے کے دعوے کرتے رہے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کے علاوہ زندگی کا صحیح طریقہ کسی اور ذریعہ سے انسان نہیں پا سکا۔ حق کا صرف ایک راستہ ہے اور وہ ہے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ خود اللہ کی طرف سے ہدایت و رہنمائی کا راستہ۔ مولانا نے آخرت کی زندگی کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام چیزیں جوڑا جوڑا کر کے پیدا کیں جن کا اس صورت میں، ان کے مقصد وجود کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔ یہی معاملہ دنیا و آخرت کا ہے۔

مرکزی مجلس شوریٰ کے معزز رکن ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی نے "اقامت دین کے روشن امکانات" کے موضوع پر تقریر فرمائی۔ موصوف نے لفظ 'دین' کی تشریح کرتے ہوئے کہا کہ

دین کا زندگی کے دو چار شعبوں ہی سے نہیں بلکہ وہ زندگی کے ظاہر و باطن تمام شعبوں کو محیط ہے۔ زندگی کے تمام مسائل و مشکلات کا حل اسی میں ہے۔ تحریک اسلامی کے سلسلے میں خیالات کا اظہار کرتے ہوئے ڈاکٹر فریدی نے کہا کہ اگرچہ مختلف ملکوں کے ذرائع ابلاغ کی طرف سے اسلام کے خلاف بے بنیاد، سراسر غلط اور گھناؤنا پروپیگنڈے ہو رہا ہے، لیکن ان سب کے باوجود اللہ تعالیٰ اپنے دین کی اقامت کے لیے جس قوم سے چاہے گا کام لے لے گا البتہ اگر اس مقصد کے حصول کا ذریعہ ہم خود قرار پائیں تو یہ ہمارے لیے سب سے بڑی خوش قسمتی کی بات ہوگی۔ یہ نہایت ضروری ہے کہ ہم دل دادگان تحریک کے قول و عمل میں زیادہ سے زیادہ مطابقت ہو۔

اجتماع میں درج ذیل عنوانات پر قراردادیں منظور کی گئیں جو اخبارات میں شائع ہوئیں:

- برادران وطن سے امن، شانتی اور بھائی چارے کی ایک اپیل
- عالم اسلام کے لیے قابل توجہ مسائل
- کشمیر کا تنازعہ
- حالات کی اصلاح سے متعلق مسلمانوں سے اپیل
- معاشرتی زندگی میں خواتین کا رول
- اقلیتوں پر مظالم
- اسلام پر دہشت گردی کا غلط اور ناروا الزام
- اخلاقی قدروں کا زوال
- سری کرشنا کمیشن رپورٹ اور حکومت کا رویہ
- سیاست میں گراوٹ
- بابری مسجد کا مسئلہ
- صحت مند سوسائٹی کی تشکیل کی ضرورت
- مسلم پرسنل لاء
- نظام تعلیم اور بے جا مداخلت

اجتماع عام جنوبی ہند، منعقدہ، بنگلور

کرناٹک، گوا، آندھرا پردیش، اڑیسہ، تمل ناڈو اور پانڈیچری پر مشتمل یہ منطقہ وار اجتماع ۱۹ر فروری ۹۹ء کو بنگلور میں منعقد ہوا۔ افتتاح امیر جماعت مولانا محمد سراج الحسن صاحب کی تقریر سے ہوا۔ موصوف نے فرمایا: جماعت اسلامی ہند کو دین کی روحانی بنیادوں، اخلاقی اقدار پر مبنی انسانیت کی فلاح و بہبود اور ملک کی تعمیر و ترقی مطلوب ہے۔ اجتماع کے افتتاح کی طرح اس کے اختتام پر بھی امیر جماعت نے خطاب فرمایا۔ موصوف نے افراد جماعت کو متوجہ دلاتے ہوئے کہا: ہمیں دعوت دین کا کام صحیح جذبے سے کرنا چاہیے انسانی ہمدردی اور حب الوطنی کا تقاضا اسی صورت میں پورا ہو سکتا ہے۔ امیر جماعت نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت و رہنمائی تمام بنی نوع انسان کی اور اسی طرح خود ہمارے اپنے ملک کی بھی ناگزیر ضرورت ہے۔

امیر جماعت کے علاوہ جماعت کے بعض دوسرے ذمہ داروں نے بھی مختلف عنوانات کے تحت اجتماع کو خطاب کیا۔

مولانا سید جلال الدین عمری نے جمعہ کی نماز کا خطبہ دیا اور مسجد اقصیٰ کے سابق امام الشیخ محمد صیام نے امامت فرمائی۔ شیخ صیام نے اجتماع کو خطاب بھی کیا۔ فرمایا کہ امت مسلمہ کے درمیان اتحاد و اتفاق اس کی وہ ناگزیر ضرورت ہے، جس کے لیے حسب توفیق ہر ایک مسلم فرد اور ادارے کو اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے کوشاں رہنا چاہیے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ مسلمانوں کی تمام تر مشکلات اور مسائل کی سب سے بڑی وجہ بھی ہے کہ ان کے درمیان صحیح معنوں میں وہ اتحاد و اتفاق نہیں ہے جو کلمہ حق کی بنیاد پر ہونا چاہیے اور اس کے نہ ہونے کی وجہ سے فلسطین اور دوسرے متعدد مقامات اور علاقے موت و حیات کی کش مکش میں مبتلا ہو گئے۔

اجتماع کے تحریکی اجلاس میں جناب قاری محمد جعفر صاحب سکریٹری جنرل جماعت اسلامی ہند نے "جماعت اسلامی ہند۔ تاریخ و خدمات" کے عنوان پر اور جناب سید غلام اکبر سکریٹری جماعت اسلامی ہند نے "اسلامی عبادات اور زندگی پر ان کے اثرات" کے عنوان پر اجتماع کو مخاطب کیا۔

جناب قاری سید محمد جعفر صاحب نے کہا کہ جماعت اسلامی ہند کی تشکیل اس حال میں

ہوئی کہ ملک مختلف قسم کی پریشانیوں سے دوچار اور سیاسی افراتفری میں مبتلا تھا۔ آزادی ہند کے بعد ایک بڑی پریشانی جو باشندگان ملک کے لیے سوہان روح بن گئی تھی وہ فرقہ وارانہ فسادات کا ایک خاصا طویل سلسلہ تھا۔ اس پریشان کن صورت حال کے دوران مسلمانوں کو صبر و توکل کی تلقین کے ساتھ ساتھ ان کا منصبی فریضہ یاد دلایا گیا اور انھیں دین کی دعوت و اقامت کی طرف متوجہ کیا گیا۔ دین کی دعوت کے علاوہ جماعت نے ملت اسلامیہ کو درپیش تہذیبی اور تعلیمی مسائل کے حل کے سلسلے میں بھی اپنی ذمے داری کو ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ فرقہ پرستی کے خاتمے اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی و رواداری کے فروغ کے لیے بھی دوسرے ابنائے وطن کے ساتھ مل کر کوششیں کیں۔ اس سلسلے میں "فورم برائے جمہوریت و فرقہ وارانہ ہم آہنگی" کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ ملک کی سیاسی زندگی میں جماعت اسلامی کا اصل رول یہ رہا ہے کہ ملک میں جمہوری آزادی کی فضا بحال و برقرار رہے جارحانہ فرقہ پرستی اور فسطائیت کو سر اٹھانے کا موقع نہ ملے اور پوری طرح اس کا سدباب ہو سکے۔

جناب سید غلام اکبر صاحب نے کہا کہ اسلام اللہ کا دین اور مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اس نے زندگی کے تمام شعبوں میں انسان کی رہنمائی کی ہے۔ اب اگر ہم اپنی زندگی کو اسلام کے سانچے میں ڈھال سکیں تو ان شاء اللہ اس کا نتیجہ یہ سامنے آئے گا کہ انسان تمام باطل خداؤں کی غلامی سے آزاد ہو کر پوری یکسوئی کے ساتھ زندگی گزار سکے گا۔

اجتماع ملی اجلاس میں "اتحاد ملت اور اس کی عملی تدابیر" کے موضوع پر اور اسی طرح ملکی اجلاس میں "ہندستان حال اور مستقبل" کے موضوع پر چند حضرات نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ ملکی اجلاس ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی صاحب کی صدارت میں ہوا۔ اور اس کا افتتاح محمد شفیع مونس نے کیا۔ ان کے علاوہ جسٹس آر ایس نرولا، جسٹس سردار علی خاں، مسٹر پاٹل پٹ اپا، اور بشپ پسر اسر گوتم نے بھی اپنے خیالات ظاہر کیے۔ ملی اجلاس کے مذاکرے میں جن حضرات نے اظہار خیال کیا ان میں مولانا محمود خاں، مولانا حفیظ الرحمٰن عمری، ڈاکٹر مسعود عالم قاسمی، اور سید غلام حسین آقا مجتہد کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں

اجتماع میں درج ذیل عنوانات پر قراردادیں منظور کی گئیں:

- اخلاقی قدروں کا زوال
- صحت مند سوسائٹی کی تشکیل کی ضرورت
- معاشرتی زندگی میں خواتین کا رول
- پس ماندہ طبقات اور اقلیتوں پر مظالم کا سدِ باب
- دہشت پسندی اور اسلامی تعلیمات
- مسلمانوں کو ہراساں کرنے کی دانستہ کوششیں
- بابری مسجد کا مسئلہ
- نظام تعلیم میں بے جا مداخلت
- مسلم پرسنل لاء
- کشمیر کا مسئلہ

اجتماع عام مشرقی ہند منعقدہ مرشد آباد بنگال

جماعت کے چار منطقہ وار عام اجتماعات میں سب کے بعد کا اجتماع مشرقی ہند کا اجتماع تھا۔ جو دھلیان ضلع مرشد آباد مغربی بنگال میں منعقد ہوا۔ اجتماع کا افتتاح اور اس کا اختتام بھی جماعت اسلامی ہند کے امیر مولانا محمد سراج الحسن صاحب کے خطاب سے ہوا۔ موصوف نے فرمایا جماعت اسلامی کا پیغام تمام بندگان خدا کے لیے ہے، جسے وہ باشندگان ملک کے سامنے گزشتہ نصف صدی سے زائد عرصے سے پیش کرتی آرہی ہے۔

اجتماع کے موضوع "ففروا الی اللہ" (اللہ کی طرف دوڑو جو ہم سب انسانوں کا رب کریم ہے) کے حوالے سے امیر محترم نے فرمایا: انسان کے لیے سیدھا اور سچا راستہ صرف یہی ایک ہے کہ وہ اپنے رب کا سیدھا سچا بندہ بن کر رہے، اپنی زندگی اس کی بھیجی ہوئی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالے اور انفرادی و اجتماعی تمام معاملات و مسائل کو اس کی رہنمائی میں دیکھے۔ وہ زندگی جو اللہ تعالیٰ کی رہنمائی سے محروم و بے نیاز ہو کر گزاری جائے گی، دنیا اور آخرت میں قطعی طور پر ناکام و نامراد ہو کر رہ جائے گی۔ یہ حقیقت پوری طرح واضح رہنی چاہیے کہ زندگی مختلف

خانوں میں بٹی ہوئی نہیں ہے بلکہ وہ ایک وحدت ہے، جو زندگی کے تمام شعبوں اور اس کے معاملات کو محیط ہے۔ گھر ہو یا بازار یا انسانی زندگی کا کوئی بھی گوشہ ہر جگہ صرف اسی کی بندگی اور مکمل اطاعت و فرماں برداری ہونی چاہیے۔

امیر جماعت کے علاوہ اجتماع کے مختلف اجلاسوں کو جماعت کے دوسرے ذمے داروں اور کچھ معروف مسلم وغیر مسلم شخصیتوں نے بھی مخاطب کیا۔ ان حضرات میں مولانا سید جلال الدین عمری، مولانا عبد العزیز، ڈاکٹر فضل الرحمن فریدی، مولانا عبدالرشید عثمانی، جناب اعجاز اسلم صاحب، جناب رحمت اللہ شریف صاحب، ڈاکٹر رئیس الدین صاحب، سید علی صاحب، سید شہاب الدین صاحب، او، پی شاہ صاحب، مسٹر شوجیت منڈل صاحب، اور عبدالرب اسماعیل صاحب وغیرہ کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

خطاب عام میں ایک لاکھ سے زائد افراد نے شرکت کی۔